٤/٣٩
١٣٩٨

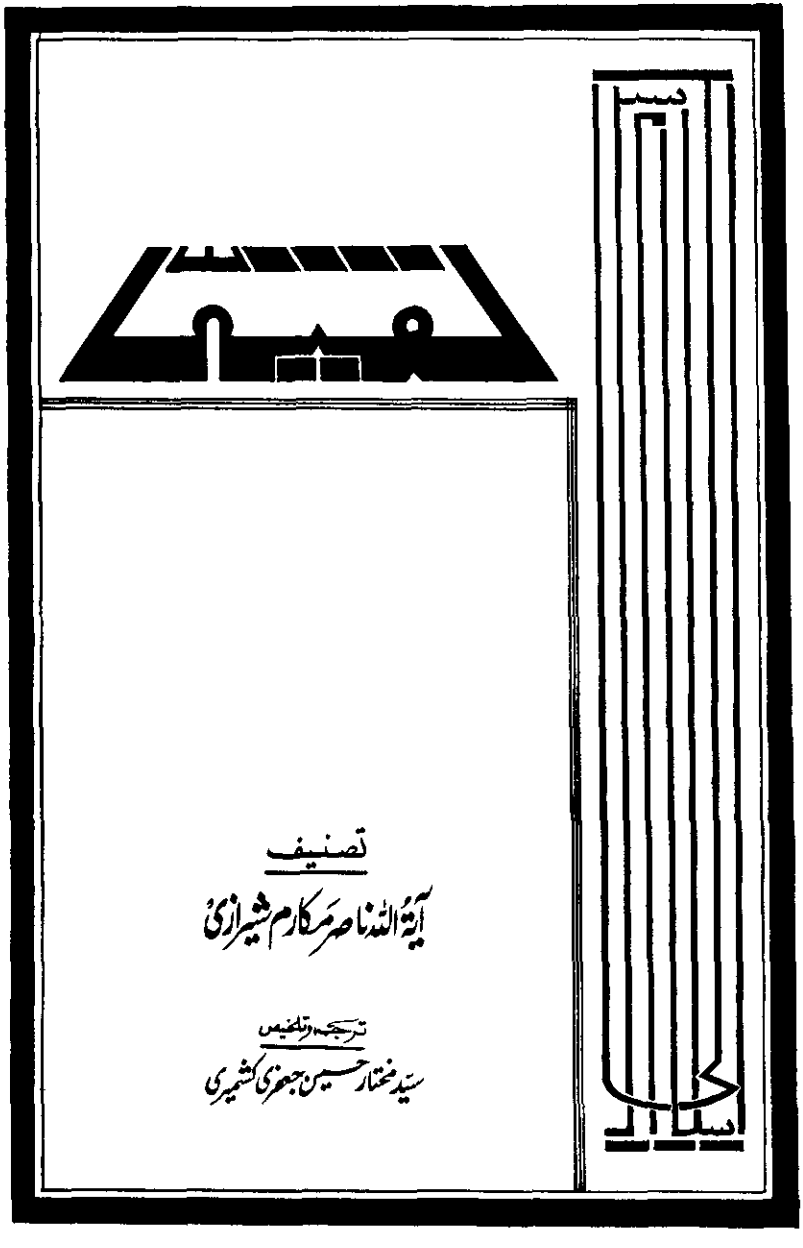
تصنیف
آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی
ترجمہ و تلخیص
سید مختار حسین جعفری کشمیری

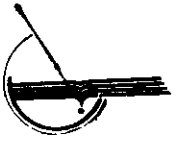

## انتشارات انصاریان

قم - خیابان شهدا - ص - پ ۱۸۷ - تلفن ۲۱۷۴۴

نام کتاب ________ اسلام کی سپر تقیہ

تصنیف ________ آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی

ترجمہ و تلخیص ________ سید مختار حسین جعفری کشمیری

ناشر ________ انتشارات انصاریان

تعداد ۳۰۰۰ نسخہ

چاپ اوّل

تاریخ نشر شوّال ۱۴۱۲

تعداد صفحات ________ ایک سو سولہ (۱۱۶)

اسلام کی سپر

# تقیّہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تقیہ

## معرکۃ الآراء موضوع بحث

شیعوں اور اہلسنت حضرات کے درمیان تقیہ سے زیادہ کوئی مسئلہ سوء تفاہم کا باعث نہیں اور اہل سنت حضرات کی نظروں میں تقیہ سے زیادہ کوئی دوسرا مسئلہ پردۂ خفا میں نہیں۔

ہمارے سنی بھائی ہمیشہ ہم سے یہی کہتے ہیں کہ آپ جس قدر چاہیں اپنے عقیدے کی وضاحت کریں اور چاہے جتنا کہیں کہ ہم قرآن میں کسی تحریف کے قائل نہیں اور ہمارے تمام گھروں اور شہروں میں قرآن موجود ہے اور وہی قرآن ہے جو دوسرے مسلمانوں کے پاس ہے۔ لیکن ہم آپ کی اس بات پر یقین نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ممکن ہے آپ اس میں تقیہ سے کام لے رہے ہوں۔

چوں کہ تقیہ آپ کے نزدیک اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

اسی طرح جب دوسرے اسلامی مسائل کے سلسلہ میں ہم ان سے (اہل سنت حضرات)

سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنے عقائد کو کہ جن کی بنیاد قرآن وسنت اور کلمات اہلبیت علیہم السلام پر استوار ہے بیان کرتے ہیں تو انکا جواب وہی ہوتا ہے۔ (کہ ممکن ہے آپ تقیہ کر رہے ہوں۔)

یہ صورت حال اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ اہل سنت حضرات کما حقہ تقیہ کے معنی اور مفہوم سے آگاہ نہیں۔ اور یہ کہ تقیہ کا ان کے نزدیک کوئی اور مفہوم ہے۔ نیز یہ کہ ان کو یہ معلوم نہیں کہ تقیہ کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ کلام خدا میں صریح آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور سنت پیغمبر اکرمؐ میں بھی تقیہ مشہود ہے اور آنحضرت کے برجستہ صحابیوں نے اس قانون پر عمل کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقیہ کا انکار قرآن وسنت کا انکار ہے۔ تقیہ کا وجود نہ صرف قرآن وسنت میں ہے بلکہ دنیا بھر کے عقلمندوں کے نزدیک تقیہ ایک جانی پہچانی عقلی اصل (روش) ہے اور انسانیت کے ہر سماج میں اس کا وجود مشاہد ہے۔

اس کتاب کا مقصد ہی ان مسائل کو واضح کرنا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ اسلامی قانون یعنی تقیہ اپنے صحیح روپ میں دنیا کے سامنے روشن ہو جائے۔ تاکہ صحیح اور تحریف شدہ تقیہ کے مفہوم میں تمیز کی جاسکے۔ اور اہل سنت حضرات جو شیعوں کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہیں اس کا ازالہ ہو سکے۔

ہماری طرف سے اس کتاب کی نشر واشاعت اتمام حجت ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد کسی کے پاس خداوند عالم کی بارگاہ میں کوئی عذر نہیں رہ جاتا کہ وہ اہلبیت علیہم السلام کے ماننے والوں پر اعتراض کرے اور بلاوجہ کیچڑ اچھالے۔ اس لئے کہ اس کتاب میں تقیہ کے صحیح معنی، قرآن مجید اور تاریخ واحادیث میں اس پر دلالت کرنے والی آیتوں اور روایتوں پر بہترین انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

خداوند متعال ہم سب کو اسلامی قوانین اور سنت پیغمبر اکرم پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حوزہ علمیہ قم

ناصر مکارم شیرازی

۳ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ

# مقدمۂ مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ قال الامام جعفر ابن محمد الصادق علیہ السلام

"من لا تقیۃ لہ لا دین لہ"

تاریخ مذاہب گواہ ہے کہ جتنے مظالم شیعہ مذہب والوں پر ڈھائے گئے شاید ہی کسی مذہب کے ماننے والوں پر اتنے مظالم ڈھائے گئے ہوں۔ اس کے باوجود شیعہ زندہ ہیں، تابندہ ہیں اور زندہ و تابندہ رہیں گے۔ اس حقیقت کا راز یہ ہے کہ جیسے رہبر شیعوں کو ملے اس شان کے رہبر دنیا کے کسی دوسرے مذہب والوں کو نہیں ملے۔ اور ان عظیم رہبروں نے اتنا جامع اور ہمہ گیر قانون حیات شیعوں کو دیا کہ دنیا کے کسی مذہب کے پاس ایسا قانون نہیں۔ یہ قانون ہر حال میں زندگی بخش اور حیات آفریں قانون ہے۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا بھی سکھاتا ہے اور ظالم کے سامنے اپنی ہویت ظاہر نہ کر کے زندگی گزارنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان کو مکمل تحفظ ملتا ہے۔ وہ قانون ہرگز انسان کے حق میں مفید نہیں ہو سکتا جو انسان کو تحفظ نہ دے سکے۔ یہ اور بات

ہے کہ تحفظ کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ جس طرح کبھی کبھی سر کٹا دینا تحفظ کے منافی نہیں ہوتا اسیطرح چہ بسا سر بچالینا تحفظ کا مصداق نہیں بن پاتا۔ اور یہ حقیقت آشکار بھی ہے اور مضمر بھی۔

اسلام کے ایسے ہی قوانین کے مجموعے میں سے ایک قانون کا نام تقیہ ہے۔ اور چوں کہ اسلام دین فطرت ہے لہذا تقیہ بھی قانون فطرت ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ تقیہ کی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے اور اسلام کی مخالفت کفر ہے۔

تعجب عوام پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے ان دانشور نماؤں پر ہے کہ جو تقیہ کا انکار کرنے والوں کو مورد الزام اور مقصر ٹھہرانے کے بجائے اس قانون فطرت کے ماننے والوں کو مقصر خیال کرتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف زبانی لن ترانیوں کے ساتھ وگرنہ ان کی عملی زندگی میں قدم قدم پر تقیہ نظر آتا ہے حتی اپنے خانگی معاملات تک میں وہ تقیہ پر عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ چون کہ کذب سے بچنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

زیر نظر کتاب میں تقیہ کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اصل کتاب میں اگرچہ تقیہ کو ایک فقہی قاعدے کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تقیہ کے علل واسباب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور بے موقع ومحل کی جانے والی الزام تراشیوں کا دفاع بھی ہے۔

تاریخ وحدیث سے تقیہ کے متعدد نمونے پیش کئے گئے ہیں اور قرآن کی کئی آیات سے استدلال واستنباط کیا گیا ہے۔

اس کے باوجود میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد تمام متعصب راہ راست پر آجائیں گے۔ البتہ وادئ تحقیق کی پرخار راہوں پر سفر کرنے والے منزل کا پتہ پاسکتے ہیں۔ ایسے ہی افراد کی تنویر افکار کے لئے ہم تقیہ کے بارے میں مسلمانوں کے معتبر مفسرین کی آراء نقل کرتے ہیں۔

۱۔ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں ( الا ان تتقوا منہم تقاۃ ) کی تفسیر میں تقیہ کے متعلق احکام میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ اگر انسان کفار کے درمیان پھنس جائے اور جان کا خوف ہو تو وہ زبانی طور پر مدارات کر سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ نہ صرف زبان سے دشمنی کا اظہار نہ کرے بلکہ اس سے بالاتر ذو معنی الفاظ میں ان سے دوستی اور رفاقت کا اظہار کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ باطنی طور پر اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔

اس کے بعد چوتھے حکم کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

ظاہر الآیۃ یدل ان التقیۃ انما تحل مع الکفار الغالبین الا ان مذہب الشافعی رضی اللہ عنہ ان الحالۃ بین المسلمین اذا شاکلت بین المسلمین والکافرین حلت التقیۃ محاماۃ علی النفس۔

آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقط غلبہ رکھنے والے کافروں سے تقیہ جائز ہے۔ لیکن شافعیؒ کے نزدیک اگر مسلمانوں سے بھی جان کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز ہے۔

پانچواں حکم:۔

التقیۃ جائزۃ لصون النفس، وھل ھی جائزۃ لصون المال؟ یحتمل ان یحکم فیہا بالجواز لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "حرمۃ مال المسلم کحرمۃ دمہ" ولقولہ (ص) من قتل دون مالہ فہو شہید[1]

ترجمہ: جان بچانے کے لئے تقیہ جائز ہے۔ لیکن آیا مال کی حفاظت کی خاطر بھی

---

۱۔ تفسیر الفخر الرازی ۱۳/۸۔

جائز ہے یا نہیں ؟۔ احتمال یہ ہے کہ جائز ہو۔ اس لئے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا " مسلمان کی جان کی طرح اس کا مال بھی محترم ہے۔ اس کے علاوہ فرمایا، جو اپنے مال کے دفاع میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔

۲۔ زمخشری اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں، خدا نے اس صورت میں کفار و مشرکین سے دوستی برقرار رکھنے کی چھوٹ دی ہے جب ان سے جان کا خطرہ ہو۔[1]

۳۔ نسفی کی تفسیر میں ملتا ہے " الّا ان تتقوا منہم تقاۃ " یعنی جب کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور مسلمانوں کو جان و مال کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں دوستی ظاہر کرنا اور دشمنی کو پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔[2]

۴۔ خازن لکھتے ہیں :۔ صرف قتل ہو جانے سے بچنے کے لئے تقیہ جائز ہے۔ بشرطیکہ نیت سالم ہو۔ چون کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے[3]۔ " الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان " سورۂ ۱۶ آیۃ ۱۰۶۔

۵۔ نیشاپوری " فلا تخشوہم واخشون " کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی حالت میں تقیہ جائز ہے۔[4]

۶۔ خطیب شربینی کو ملاحظہ فرمائیے۔ " الا من اکرہ " یعنی جسے کفر کے اظہار پر

---

۱۔ تفسیر الکشاف ج ۱ ص ۴۳۲

۲۔ تفسیر النسفی۔ حاشیہ تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۷۷

۳۔ تفسیر الخازن ج ۱ ص ۲۷۷

۴۔ تفسیر غرائب القرآن ج ۳ ص ۱۷۸

مجبور کیا جائے اور وہ ایسا کرے۔" وقلبہ مطمئن بالایمان" اور اس کا دل ایمان سے سرشار ہو۔ تو اس نے کچھ برا نہیں کیا۔ اس لئے کہ ایمان کا مسکن دل ہوا کرتا ہے۔[۱]

۷۔ طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ الّا ان تتقوا منہم تقاۃ۔ کے ذیل میں ابوالعالیہ رقمطراز ہیں۔ تقیہ زبان سے ہوتا ہے عمل سے نہیں ہوتا

اس کے بعد اسی آیت کے ذیل میں ضحاک کا قول نقل کرتے ہیں۔ تقیہ زبان سے ہوتا ہے، اگر کسی شخص کو ایسی بات کہنے پر مجبور کیا جائے جس میں خدا کی نافرمانی ہو اور وہ جان بچانے کیلئے کہہ دے۔" وقلبہ مطمئن بالایمان" مگر اس کا دل ایمان سے لبریز ہو تو وہ گنہگار نہیں۔[۲]

۸۔ حافظ ابن ماجہ لکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں تقیہ جائز ہے۔ اس لئے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔" الّا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان"[۳]

۹۔ اسی آیت کی تفسیر میں قرطبی لکھتے ہیں۔" حسن کا قول ہے کہ تقیہ انسان کے لئے قیامت تک جائز ہے۔[۴]

اس کے بعد قرطبی کہتے ہیں۔" اہل عالم کا اتفاق ہے جس شخص کو کفر بکنے پر مجبور کیا جائے اور وہ "قتل سے بچنے کے لئے ظاہراً کافر ہو جائے لیکن اس کے دل میں ایمان ہو تو نہ وہ گناہ گار ہوگا اور

---

۱۔ تفسیر السراج المنیر ج ۲ ص ۲۶۳۔

۲۔ جامع البیان ج ۳ ص ۱۵۳۔

۳۔ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۳

۴۔ جامع احکام قرآن ج ۴ ص ۵۷۔

عدّ اس کی بیوی اس سے الگ ہوگی اور عدّاس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ یہ مالک، شافعی اور کوفیوں کا قول ہے۔[۱]

۱۰۔ اس آیت کی تفسیر میں آلوسی لکھتے ہیں : آیت تقیہ کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔[۲]

۱۱۔ جمال الدین قاسمی کا بیان ہے آیۂ "اِلّا اَن تَتَّقُوا مِنہُم تُقاۃً" سے تمام آئمہ نے استنباط کیا ہے کہ خوف کے وقت تقیہ مشروع ہے۔

چنانچہ ابوہریرہ ناقل ہیں کہ میں نے رسولؐ خدا سے دو دعائیں یاد کی ہیں۔ ایک دعا کو میں نے تمام لوگوں کو بتادیا ہے لیکن دوسری دعا کو نہیں بتایا اس لئے کہ اگر بتادیتا تو میری گردن مار دی جاتی۔[۳]

۱۲۔ مراغی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں رقم کیا ہے۔ مؤمنوں کو ہر حالت میں کافروں سے قطع روابط کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر ان سے کسی قسم کا خوف ہو تو اس کا ازالہ تقیہ کے ذریعہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ قاعدۂ شرعیہ یہ ہے کہ منافع حاصل کرنے سے پہلے نقصانات کا ازالہ کرنا چاہیئے۔

لہٰذا جب نقصان سے بچنے کے لئے کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز ہے تو تمام مسلمانوں کے منافع کے لئے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

دین اور دیانت کے پابند روشن فکر مسلمانوں سے یہ توقع ہے کہ اتنے حوالے اہل سنّت کی تفاسیر میں ملاحظہ فرمانے کے بعد تقیہ کا بہانہ بناکر خالص اسلام کے مخلص ماننے والوں کو برا بھلا نہیں کہیں گے۔ بلکہ ان کے روشن دلیلوں کے ذریعہ راہ حق اور صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

ممکن ہے کہ بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ یہ کتاب لکھنے اور ترجمہ کرنے کا مقصد

---

۱۔ جامع احکام قرآن جلد ۱۰ ص ۱۸۲

۲۔ روح المعانی جلد ۳ ص ۱۲

۳۔ محاسن التاویل جلد ۴ ص ۹۲۔ طبع مصر۔

اہل سنت حضرات کو ان کے مذہب سے بد دل کرنا ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے عرض ہے کہ کتاب کا مقصد کسی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہرگز نہیں بلکہ اس کا مقصد حق کو واضح کرنا ہے۔ "لیهلک من هلک عن بینة ویحیی من حیّ عن بینة۔" صرف کتابیں پڑھ لینے سے کوئی شیعہ نہیں بن جاتا بلکہ "ذالك فضل الله یوتیه من یشآء[1]۔"

ورنہ جب یہ کتاب نہیں لکھی گئی تھی تب بھی لوگ شیعہ مذہب اختیار کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

ہماری اس کتاب سے اصل غرض یہ ہے کہ علمائے اسلام اپنی فکری صلاحیتوں کو ان فروعی مسائل میں الجھا کر برباد نہ کریں بلکہ انہیں اپنے مشترکہ دشمن کے ظاہری اور باطنی ہتھکنڈوں سے بچنے کے لئے استعمال کریں۔

اسی طرح جو لوگ اہل تحقیق اور حق جو ہیں ان کو کھلی آزادی دیں تاکہ وہ فتووں کے خوف سے بے خطر ہو کر وادیٔ تحقیق میں قدم رکھیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں۔

خداوند متعال ہم سب کو دین اسلام اور مستضعف و بے چارے مسلمانوں کی حمایت میں اپنی فکری اور عملی توانائیوں کو صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے

آخر میں ناشر گرامی جناب انصاریان صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جو تن، من، دھن سے دین اسلام اور فقہ جعفری کی خدمت کر رہے ہیں۔ خدائے سبحان موصوف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

---

۱۔ سورۂ جمعہ۔

پروردگار عالم جملہ مومنین و مومنات کو حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے امام زمانہ کے ظہور میں تعجیل فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

۳ شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
قم المقدسہ ایران

# حرفِ آغاز

تقیہ ایک عرصہ سے جہاں ہماری پہچان رہا ہے اس کے ساتھ ہی اس کی بنا پر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش بھی کی جاتی رہی ہے جس کا سبب اس کے حقیقی معنی اور موارد جواز و حرمت سے ناآگاہی اور حکم عقل و نقل سے غفلت کے علاوہ کچھ نہیں۔

تقیہ دین کی ضرورت ہے اور اس کا مذہب و دین سے دوہرا تعلق ہے۔ ایک طرف بہت سے فروعی مسائل فقہ کی بنیاد اس پر استوار ہے تو دوسری طرف اس کا تعلق عقائد و کلام سے بھی ہے یہی وجہ ہے کہ جو اس کی حقیقت اور اس کے موارد سے غافل ہیں وہ اسی کو اس کے ماننے والوں کا کمزور پہلو قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ ہم اس کے بارے میں ایک فقہی قاعدہ کی حیثیت سے بحث کر رہے ہیں لیکن دوران بحث ہم اس کے دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ تاکہ مخالفین کے ان اعتراضات کا کہ جو "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کی حیثیت رکھتے ہیں جواب دے سکیں اور اس طرح کے تمام شبہات کی طرح اس کو بھی دور کر سکیں جو ہم سے دوری، عدم اتصال اور ہمارے

اور ہمارے عقاید کو ہم سے نہ لینے بلکہ ایسی کتابوں سے اخذ کرنے کی بنا پر پیدا ہو گئے ہیں جو ہمارے خلاف بہتان تراشیوں اور خلاقات سے پر ہیں۔ یہ الزامات یا تو قومی اور مذہبی تعصبات کی بنا پر ہم پر لگائے گئے ہیں۔ یا پھر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ایجاد کرنے بغض و کینہ کا بیج بونے اور ان کو آپس میں دست و گریباں کر کے کمزور کرنے کے لئے یہ تعصبات منافقوں نے پھیلائے ہیں تاکہ مسلمانوں کا رعب و دبدبہ جاتا رہے۔ جیسا کہ قرآن میں خدا کا ارشاد ہے۔

بہر حال ہم تقیہ کو چند مراحل میں تقسیم کر کے مورد بحث قرار دیں گے

اوّل:۔ تقیہ کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

دوّم:۔ تقیہ کا حکم تکلیفی۔ یعنی آیا تقیہ جائز ہے یا حرام؟ اگر جائز ہے تو کس مورد میں جائز ہے اور کہاں جائز نہیں۔؟ اور اس کی دلیلیں ہر مورد میں کیا ہیں۔؟ اس کے علاوہ ہم تقیہ کی دو قسموں یعنی خوفی اور تحببی پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

دوران بحث ہم اس سوال کا بھی جواب دیں گے کہ صدر اوّل، بنی امیہ اور بنی عبّاس کے ادوار میں رشید ہجری اور میثم تمار جیسے رجال تاریخ نے کیوں تقیہ کو چھوڑ کر شہادت کا شیریں جام نوش فرمایا؟ اور کیا ایسے مواقع پر ان کی پیروی ہمارے لئے ممکن ہے یا نہیں۔؟

تیسرے مرحلے میں:۔ ہم اس کے حکم وضعی کو زیر بحث لائیں گے کہ آیا تقیہ صرف مخالف مذہب کے مقابلہ میں ہوتا ہے یا کافر اور منافق کے مقابلہ میں بھی اس سے استفادہ کیا جاتا ہے؟ اور آیا تقیہ صرف احکام سے متعلق ہے یا موضوعات میں بھی ہوتا ہے۔؟ ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ تقیہ کا سبب آیا خوف شخصی ہے یا خوف نوعی۔؟ آیا تقیہ کی مخالفت فساد عمل کا باعث بنتی ہے یا نہیں۔ یہ اور ان کے علاوہ امور ہیں۔ ان سب کو ہم تنبیہات میں ذکر کریں گے ہم خدا سے تمام امور میں حق کی طرف ہدایت اور توفیق کے طلبگار ہیں۔ اِنّہٗ قریبٌ مجیبٌ۔

# تقیہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

تقیہ لغت میں "اتقی یتقی" کا مصدر ہے۔ اسم مصدر نہیں جیسا کہ شیخ انصاری نے فرمایا ہے۔ بلکہ اسم مصدر تقوی ہے۔..... چنانچہ محقق فیروزآبادی "قاموس" میں فرماتے ہیں "اتقیت الشئی وتقیۃ یعنی حذرتہ" "میں فلاں چیز سے بچا" گویا کسی بھی چیز سے بچنے کو تقیہ کہا جاتا ہے۔

بنابر این تقیہ کے ان معنی کا دائرہ جو فقہ، اصول اور علم کلام میں بیان ہوئے ہیں۔ لغوی معنی کی بہ نسبت تنگ ہے۔ اس سلسلہ میں علماء کرام کی جو عبارتیں اور مضامین ہم تک پہونچے ہیں وہ مختلف ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علماء کے درمیان تقیہ کی حقیقت و مفاد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت پر سبھی متفق ہیں۔ بطور نمونہ چند عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "تصحیح الاعتقاد" میں تقیہ کی تعریف یوں بیان کی ہے۔ حق اور عقیدہ حقہ کو مخالفین سے پوشیدہ رکھنا اور جن چیزوں کے اظہار سے دینی اور دنیاوی نقصان کا اندیشہ ہو ان کے ظاہر کرنے سے پرہیز کرنا۔

۲۔ شہید اپنی "قواعد" میں فرماتے ہیں۔ لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے معروف و منکر میں ان کے شانہ بشانہ چلنے کو تقیہ کہتے ہیں۔

۳۔ علامہ شیخ انصاری اپنے رسالہ "التقیہ" میں رقمطراز ہیں "تقیہ سے مراد اپنے کو نقصان سے محفوظ رکھنے کے لئے قول و فعل میں مخالف حق غیر کی موافقت کرنا۔

۴۔ علامہ شہرستانی (دوسرا قول) شیخ مفید کی کتاب "اوائل المقالات" کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ اگر کسی امر دینی کے اظہار میں خوف ضرر ہو تو اسے پوشیدہ رکھنا تقیہ کہلاتا ہے۔[۲]

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ تعریفوں میں سے بعض کا دائرہ وسیع ہے اور بعض کا تنگ ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کے معنی کی وضاحت کے پیش نظر کسی نے بھی اس کی جامع افراد اور مانع اغیار تعریف کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اسی لئے کسی نے دوسرے کی تعریف پر اعتراض بھی نہیں کیا ہے۔

اہم جس چیز کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ تقیہ ہر اس جماعت کے لئے ایک سپر ہے جس پر اکثریت کا غلبہ ہو اور وہ اکثریت اس اقلیت کو اظہار عقیدہ اور اس کے مطابق عمل

---

۱۔ التقیۃ کتمان الحق وستر الاعتقاد ومکاتمۃ المخالفین وترک مظاہرتہم بما یعقب ضرراً فی الدین والدنیا۔ تصحیح الاعتقاد ص ۹۶۔

۲۔ اوائل المقالات۔ ص ۹۶۔

کرنے کی اجازت نہ دیتی ہو تو وہ اقلیت اپنے مال و نفوس کو متعصب مخالفوں کی دست برد اور غارت گری سے محفوظ رکھنے کے لئے فطرت کے عین مطابق کبھی تو تقیہ کا سہارا لیتے ہیں۔ کہ جب حفظ نفوس و اموال اظہار حق کی بہ نسبت اہم ہوتا ہے۔ اور جب وہ سمجھتے ہیں کہ اظہار حق زیادہ ضروری ہے تو تقیہ کو ترک کرتے ہوئے ہر طرح کا نقصان برداشت کرتے ہیں اور آخر کار موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان ایسے دوراہے پر کھڑا ہو جس کے ایک طرف اہم اور دوسری طرف مہم ہو تو عقل بھی اہم کو اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے اور اسی کا نام تقیہ ہے۔ جو حکم عقل کے عین مطابق ہے۔

لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ نہ فقط شیعہ تقیہ کرتے ہیں۔ اور نہ ہی تقیہ شیعوں سے مخصوص ہے اگرچہ مشہور یہی کر دیا گیا ہے۔ بلکہ دنیا میں ہر وہ قوم تقیہ کرتی ہے جو شیعوں جیسی مصیبتوں میں مبتلا ہو شیعوں کے ساتھ تقیہ اس لئے مشہور کر دیا گیا ہے کہ اکثر زمانوں میں تقریباً ہر جگہ ظالم مخالفوں کی سلطنت میں رہے ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی اقلیت جب ایسی موقعیت میں ہو تو تقیہ اس کی تاریخ میں ثبت ہو جاتا ہے۔

آیات اور بہت سی احادیث شاہد ہیں کہ ایسے ہی حالات میں مؤمن آل فرعون اور اصحاب کہف نے تقیہ کو حفظ دین کا وسیلہ بنایا۔ بلکہ بعض وجوہ کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ بت پرستوں کی کٹ حجتی کے مقابلہ میں حضرت ابراہیمؑ اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مکالمہ میں حضرت یوسفؑ نے تقیہ سے کام لیا ہے۔

# تقیہ کا حکم تکلیفی

اصحاب ائمہؑ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ تقیہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب، حرام، مستحب مکروہ اور مباح۔ ہماری تحقیق بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

ہم اپنی بحث کا آغاز جواز تقیہ سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی حرمت اور پھر استحباب و کراہت کو بیان کریں گے۔..... اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض موقعوں پر تقیہ جائز ہے جس کی دلیل اجماع و آیات قرآن کے علاوہ احادیث متواترہ اور عقل سلیم ہیں۔ پہلے ہم آیات کو ذکر کرتے ہیں..... چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد رب العزت ہے۔ لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شئی الا ان تتقوا منہم تقاۃ ویحذرکم اللہ نفسہ واللہ المصیر۔ (آیت ۲۸)

ترجمہ:۔

مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ولی نہ بنائیں جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے

کوئی رابطہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر ان سے خطرہ لاحق ہو تو ایسا کر سکتے ہیں (یعنی تقیہ کرتے ہوئے ان کو دوست بنا سکتے ہیں۔ اور ان سے مدد لے سکتے ہیں۔.....) اسی طرح کی ایک اور آیت ہے جس میں ارشاد ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق[1] اس آیت میں بھی کافروں کو ولی بنا کر ان کے ساتھ رشتۂ مودت برقرار کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اسی قسم کی بات ایک اور آیت میں ہے۔ لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ[2]۔

## ترجمہ:۔

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والی کوئی بھی قوم ان کے دشمنوں سے مودت نہیں رکھ سکتی..... یہاں تک ذکر کرنے کے بعد تقیہ کی حالت کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے یعنی تقیہ کی حالت میں ان کو ولی بنانا اور ان سے مودت رکھنا جائز ہے۔ اگرچہ حکم اولیٰ کے تحت ایسا کرنا حرام ہے..... اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ تقاۃ سے مراد تقیہ ہے۔ اور تقیہ اور تقاۃ دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ بلکہ "حسن" اور "مجاہد" کی قرأتوں میں "تقاۃ" کے بجائے تقیہ ہے..... امین الاسلام طبرسی مجمع البیان میں آیت کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار غلبہ رکھتے ہوں اور اہل ایمان مغلوب ہوں اور کفار

---

۱۔ سورۂ ممتحنہ ع ۱۔

۲۔ سورۂ مجادلہ آیت ۲۲۔

کے ساتھ حسن معاشرت اور موافقت نہ رکھنے کی صورت میں مومنوں کو خوف لاحق ہو تو تقیہ کرتے ہوئے زبانی طور پر اظہار مودت و مدارات جائز ہے لیکن دلی اعتقاد نہیں ہونا چاہیئے ..... چنانچہ اگر انسان کو جان کا خطرہ ہو تو آیت اس وقت دین میں تقیہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے اسی بنا پر اصحاب تشیع ضرورت کے وقت ہر طرح کے اقوال میں تقیہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی لطف و خیر خواہی کے عنوان سے تقیہ اقوال میں واجب ہو جاتا ہے۔ اور افعال میں اگر تقیہ قتل مومن اور دین میں فساد کا باعث بنے تو جائز نہیں ہے۔[1]

شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں "جان کے خوف پر تقیہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اگرچہ اظہار حق کا جواز بھی روایت میں آیا ہے۔ ....." چنانچہ حسن روایت کرتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب نے حضرت رسالتؐ کے دو صحابیوں کو گرفتار کیا۔ ایک سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔؟ اس نے کہا "ہاں" ۔ مسیلمہ نے کہا "کیا تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔؟" صحابی نے کہا "ہاں" مسیلمہ کذاب نے دوسرے شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔؟" اس شخص نے کہا "ہاں"۔ مسیلمہ کذاب نے پوچھا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔؟" صحابی نے جواب دیا کہ میں بہرا ہوں" مسیلمہ کذاب نے تین مرتبہ اس سے پوچھا مگر صحابی نے وہی جواب دیا۔ تب مسیلمہ کذاب نے اسے قتل کر دیا ..... خبر رحمت دو عالمؐ تک پہونچی تو آنحضرتؐ نے فرمایا مقتول نے صدق و یقین پر عمل کر کے فضیلت کا مقام حاصل کیا جو اس کیلئے مبارک ہو .....

---

۱۔ مجمع البیان جلد ۲ صـ ۴۳۰۔

رہ گیا دوسرا شخص تو اس نے اللہ کی دی ہوئی چھوٹ سے استفادہ کیا ہے لہٰذا وہ معذور ہے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ تقیہ چھوٹ ہے جب کہ اظہار حق فضیلت ہے حالانکہ ہماری احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ واجب ہے اور اس کی مخالفت خطا ہے[1] یہ تھے شیخ الطائفہ۔ لیکن ہم اپنے قارئین کو عنقریب بتائیں گے کہ بعض موقعوں پر تقیہ واجب ہے اور بعض پر جائز۔ کچھ موارد ایسے ہیں کہ جہاں تقیہ مستحب ہے جب کہ کچھ موارد میں ترک تقیہ اور اظہار حق ضروری ہے۔ اور چونکہ تمام روایات ایک ہی مورد کے لئے نہیں ہیں لہٰذا ان میں تعارض نہیں جو شیخ طوسی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ..... مختصر یہ کہ آیت بطور اجمال جواز تقیہ پر دلالت کرتی ہے۔ بلکہ آیت میں عنوان تقیہ بطور واضح مذکور ہے۔ اس لئے کہ تقیہ اور تقاۃ کے ایک ہی معنی ہیں اور آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ایک سے زیادہ قاریوں نے "تقاۃ" کی جگہ "تقیہ" کی قرائت کی ہے۔

اس قبیل کی ایک آیت سورۂ نحل میں ہے۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم ۝ (۱۰۶) اس آیت کے شان نزول میں مفسروں نے جن امور کو ذکر کیا ہے وہ آپس میں قریب المعنیٰ ہیں۔ اگرچہ اشخاص و اماکن میں اختلاف ہے۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عمار، ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ اور صہیب، بلال اور ر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کفار نے ان حضرات کو قید کر کے سخت اذیتیں دیں اور ان کو اسلام اور رسولؐ خدا سے بیزاری اور کلمہ کفر جاری کرنے پر مجبور کیا.....

حضرت عمارؓ کے والدین نے صاف انکار کر دیا اور اسلام میں پہلے دو شہید ہونے کا شرف حاصل کیا

حضرت عمارؓ نے زبان سے وہ کیا جو کفار چاہتے تھے لیکن ان کا دل مطمئن تھا۔ اسی درمیان کچھ لوگوں نے حضورؐ کو بتایا کہ عمارؓ کافر ہو گئے۔ تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ عمارؓ سراپا ایمان ہیں۔ اور ایمان اس کے گوشت و خون میں مخلوط ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ عمارؓ روتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا۔ عمارؓ تمہارے پیچھے کیا خبریں ہیں۔؟ عرض کی یا رسول اللہ شر ہی شر ہے۔ مجھے مجبور کیا گیا کہ میں آپ سے بیزاری ظاہر کروں اور ان کے خداؤں کی تعریف کروں ..... آنحضرتؐ نے عمارؓ کے آنسو پونچھے اور فرمایا اگر دوبارہ مجبور کریں تو وہی کہو جو وہ چاہیں ..... اسی پر آیت نازل ہوئی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بھائی عیاش بن ابوربیعہ اور ابی جندل وغیرہ کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے ان کو وہ کہنے پر مجبور کیا جو وہ چاہتے تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ہجرت اختیار کی اور جہاد میں حصہ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کچھ مفسرین کا بیان ہے کہ مکہ کے کچھ لوگ ایمان سے مشرف ہو کر جب مدینہ کی جانب روانہ ہوئے تو راستہ میں قریش نے ان کو اظہار کفر پر مجبور کیا۔ تو ان کے مجبوری میں ایسا کرنے پر آیت نازل ہوئی۔

لیکن ان میں پہلا قول زیادہ مشہور ہے ..... آیت کریمہ ضرورت کے وقت بطور تقیہ اظہار کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہے جب انسان کا قصد کفر نہ ہو۔ اگرچہ آیت مقام اکراہ میں نازل ہوئی ہے اور تقیہ میں اکراہ معتبر نہیں ہے۔ بلکہ بغیر اکراہ کے بھی تقیہ جائز ہے۔ لیکن اگر دقت کی جائے تو اکراہ اور تقیہ کے ملاک میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ دونوں کا ملاک ترک

مہم کے ذریعہ ضرر اہم کا ازالہ ہے۔

یہ تو تھا آیت کے عنوان کے اعتبار سے۔ بر اعتبار دیگر اگرچہ مفاد آیت کفر و ایمان سے متعلق ہے لیکن حکم آیت ان دونوں کے علاوہ میں بدرجۂ اولیٰ جاری ہے۔ اس لئے کہ جب کفر و ایمان جیسے بنیادی مسئلہ میں تقیہ جائز ہے تو دیگر مسائل میں شرائط کی موجودگی میں قطعی طور پر جائز ہے۔ .....

چنانچہ محقق بیضاوی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، مجبوری میں آیت کلام کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہے اگرچہ دین کے اعزاز کی خاطر اس سے پرہیز کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت عمارؓ کے والدین نے کیا۔ پھر انھوں نے حسن سے مروی گذشتہ روایت نقل کی ہے کہ جو ان دو افراد کے بارے میں ہے جن کو مسیلمہ نے گرفتار کر کے اپنی نبوت کی جھوٹی گواہی دلوانی چاہی تھی ایک نے انکار کیا حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے نے پروردگار عالم کی رخصت سے فائدہ اٹھایا جبکہ دوسرے نے حق کو برملا کیا اور وہ اسے مبارک ہو۔

اسی طرح کی ایک آیت سورۂ غافر میں ہے "جس میں مومن آل فرعون کا ذکر ہے۔"

وقال رجل مؤمن من آل فرعون یکتم ایمانہ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم ۔ غافر آیت ۲۸۔

یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت مومن آل فرعون کا قصہ اور اپنی قوم کے سامنے ان کے احتجاج کو بیان کرتی ہے جس کو قرآن نے رضا و قبولیت کی زبان میں پیش کیا ہے..... یہاں تک کہ "یکتم ایمانہ" کو بھی اسی انداز میں نقل کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر جان کا خطرہ لاحق ہو تو کتمان ایمان جائز ہے بیشک کتمان ایمان صرف ایمان کے ظاہر نہ کرنے سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے ایمان کے خلاف بھی بولنا پڑتا ہے خصوصاً ایسے موقع پر جب کتمان

ایمان کا زمانہ مومن آل فرعون کی طرح طولانی ہو۔ اس وقت کفار کے ساتھ اعمال میں اشتراک اور مومنوں کے مخصوص اعمال ترک کئے بغیر ممکن نہیں کہ انسان ایمان کو پوشیدہ رکھ سکے۔ ......

بہر حال یہ کہنا کہ کتمان ایمان کا مطلب حق کے خلاف کچھ کہے بغیر حق کا ظاہر نہ کرنا ہے تو یہ صرف زبانی دعویٰ ہوگا۔ خاص طور سے ابن عباس کی نقل کے مطابق اس وقت آل فرعون میں مومن آل فرعون جن کو حضرت موسیٰ نے مومن بنایا تھا اور فرعون کی بیوی کے بغیر کوئی مومن تھا ہی نہیں...... اب اگر کوئی شخص ایسے موقع پر خلاف ایمان عمل بجا لائے تو اسے تقیہ کہا جاتا ہے۔ اور آیت بطور اجمال اس پر دلالت کرتی ہے۔ ...... چنانچہ طبرسی نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا التقیۃ دینی ودین آبائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ ترس اللہ فی الارض لان مومن آل فرعون لو اظہر الاسلام لقتل[1]

[1] مجمع البیان جلد ۸ ص ۵۲۱

ترجمہ:

تقیہ میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے جس کے پاس تقیہ نہیں اس کے پاس دین نہیں۔ یہ زمین پر اللہ کی سپر ہے۔ چنانچہ مومن آل فرعون اگر اسلام کو ظاہر کر دیتے تو قتل کر دیئے جاتے...... مذکورہ بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تینوں آیتیں جان کے خطرے کے وقت واضح طور پر تقیہ کو واجب قرار دیتی ہیں۔ روایات جو ہم انشاء اللہ ذکر کریں گے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ موارد تقیہ بھی فقط وہی نہیں جو گذشتہ آیتوں میں بیان ہوئے بلکہ عمل اصحاب کہف اور شیخ الانبیاء حضرت ابراہیمؑ کا بت توڑنے کے بعد اپنی قوم کے سامنے جواب، حضرت یوسفؑ کی اپنے بھائی کو اپنے پاس روکتے وقت بھائیوں سے گفتگو وغیرہ سب کچھ تقیہ پر مبنی تھا جس کے بارے میں ہم عنقریب عرض کریں گے کہ تقیہ صرف جان کے خطرے کے وقت حق کو چھپانے

اور اس کے خلاف بولنے کا نام ہی نہیں بلکہ کچھ دوسرے مصالح کی بنا پر بھی اگر حق کو چھپایا جائے تو اسے تقیہ کہتے ہیں۔ ..... بہرکیف یہ تھا تقیہ کے جائز ہونے کے بارے میں قرآن کریم کا جلی اور روشن فیصلہ۔

# احادیث تقیہ

مواقع خوف میں اصل تقیہ کے جواز پر دلالت کرنے والی احادیث کے متواتر ہونے میں شک نہیں۔ یہ احادیث چند حصوں میں منقسم ہیں۔ اور ہر ایک حصہ بعض خصوصیات تقیہ کے بارے میں ہے۔ مذکورہ احادیث بے شمار فوائد و لطائف پر مشتمل ہیں۔۔۔۔ جن میں تقیہ کے اسباب، نتائج، کیفیت، حدود، اقسام اور موارد وجوب و حرمت کے علاوہ ان مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں تقیہ نہیں کیا جاتا۔

یہ احادیث "الوسائل" کی گیارھویں جلد کتاب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بہت سے ابواب میں مذکور ہیں۔ چنانچہ.....

ہماری تقسیم کے مطابق یہ احادیث پانچ طائفوں پر مشتمل ہیں۔

## پہلا طائفہ

ان احادیث پر مبنی ہے جو تقیہ کو مومن کے لئے سپر حرز جان اور محافظ نفس قرار دیتی

ہیں ۔ اس معنی کے تحت بہت ساری احادیث ہیں ۔ جن میں سے بعض درج ذیل ہیں ۔

۱۔ کلینی کافی میں اپنی سند کے ساتھ احمد بن مروان کے واسطہ سے ابی عبداللہ (ع) سے ناقل ہیں ، آپ نے فرمایا میرے والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ " تقیہ سے زیادہ کوئی چیز میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے کہ تقیہ مومن کی سپر ہے ۔ "[1]

۲۔ کافی میں کلینی عبداللہ ابن ابی عبداللہ ابن ابی یعفور سے روایت کرتے ہیں ۔ ابی یعفور راوی ہیں کہ میں نے ابی عبداللہ ؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے " تقیہ مومن کے لئے سپر اور حرز جان ہے ۔ "[2]

۳۔ کلینی نے کافی میں حریز کے حوالے سے ابی عبداللہ ؑ سے نقل کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا " تقیہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان اس کی سپر ہے ۔ "[3]

۴۔ سعد ابن عبداللہ نے بصائر الدرجات میں جمیل بن صالح کے واسطہ سے ابی عبداللہ ؑ سے نقل کیا ہے ۔ " آپ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار فرمایا کرتے تھے ۔ تقیہ سے زیادہ کوئی چیز میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ۔ اس لئے کہ تقیہ مومن کی سپر ہے ۔ "[4]

---

۱۔ عن ابی عبداللہ (ع) قال کان ابی یقول وای شئی اقر لعینی من التقیۃ ان التقیۃ جنۃ المومن ۔ وسائل جلد ۱۱ ۔

۲۔ قال سمعت اباعبداللہ ؑ یقول ۔ التقیۃ ترس المؤمن والتقیۃ حرز المؤمن ۔ وسائل جلد ۱۱

۳۔ عن حریز عن ابی عبداللہ (ع) قال ۔ التقیۃ ترس اللہ بینہ وبین خلقہ ۔ جلد ۴ باب ۲۴ ابواب امر بالمعروف ۔

۴۔ عن جمیل بن صالح عن ابی عبداللہ (ع) قال ان ابی کان یقول ۔ ای شئی اقر للعین من التقیۃ

بقیہ صفحہ بعد پر ۔

یہ روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جس طرح انسان میدان جنگ میں دشمن کے وار سے محفوظ رہنے کے لئے سپر کا سہارا لیتا ہے اسی طرح حفظ نفس کے لئے تقیہ کا سہارا لے سکتا ہے اور چونکہ دشمن کے حملہ سے بچنے کے لئے سپر کا استعمال واجب ہے لہذا کہا جا سکتا ہے کہ تقیہ کے ذریعہ بھی دشمن سے مخفی رہنا واجب ہے۔ ..... اب اگر کوئی ان روایات کی وجوب تقیہ پر دلالت کو تسلیم نہ بھی کرے جب بھی جواز تقیہ پر ان کی دلالت سے انکار نہیں کر سکتا۔

## دوسرا طائفہ:۔

وہ روایات ہیں کہ جو تقیہ کے نہ ہونے کی صورت میں دین اور ایمان کی نفی کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تقیہ دین ہے اور تقیہ کے بغیر دین ناقص ہے

۵۔ کلینی نے کافی میں اپنی سند کے ساتھ ابی عمر اعجمی سے روایت کی ہے۔ اعجمی کہتے ہیں مجھ سے ابو عبداللہؑ نے فرمایا " اے ابو عمر! دین کے دس حصوں میں سے نو حصہ تقیہ میں ہیں اور جس کے پاس تقیہ نہیں اس کے پاس دین نہیں "[1]

۶۔ علل الشرائع میں صدوقؒ ابوبصیر سے ناقل ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا تقیہ خدائے عزوجل کا دین ہے۔ میں نے عرض کی اللہ کے دین میں سے ہے۔؟ آپ نے فرمایا، ہاں

---

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ۔

ان التقیۃ جنۃ المومن۔ ح ۲۴۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

۱۔ عن ابی عمر الاعجمی قال۔ قال ابو عبداللہ (ع) یا ابا عمر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ۔ ح ۲۔ باب ۲۴۔ کتاب امر بالمعروف۔

خدا کی قسم اللہ کے دین میں سے ہے۔ الخ[۱]

۷۔ صدوق[رح] صفات الشیعہ میں ابان بن عثمان کے ذریعہ امام صادق[ع] سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت[ع] نے فرمایا: "جو تقیہ نہیں رکھتا وہ دین دار نہیں اور جس کے پاس ورع نہیں وہ ایمان دار نہیں۔" [۲]

۸۔ یہ وہ روایت ہے جس کو کلینی نے ابن ابی یعفور کے حوالہ سے امام صادق[ع] سے نقل کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا: "جس کے پاس تقیہ نہیں وہ ایمان نہیں رکھتا۔" [۳]

ان کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں۔

ان روایات سے بطور اجمال ظاہر ہوتا ہے کہ مقامات تقیہ میں تقیہ واجب ہے اور یہ کہ تقیہ دین کے اہم اور عمدہ مسائل میں سے ہے۔ عنقریب ہم اس کی تاکید کی علت بیان کریں گے اور اگر اس کی حدود و شرائط کی رعایت کی جائے تو تقیہ فطری امر ہے جس کی گواہی ہر انسان کا ضمیر دیتا ہے۔

## تیسرا طائفہ:۔

اس طایفہ کی روایات یہ بتاتی ہیں کہ تقیہ عظیم ترین فرائض میں سے ہے۔ اللہ کے

---

۱۔ عن ابی بصیر قال ابو عبداللہ[ع] التقیۃ دین اللہ عزوجل۔ قلت من دین اللہ؟ قال فقال ای واللہ من دین اللہ۔ الخ۔ ح ۱۸، باب ۲۴، کتاب امر بالمعروف۔

۲۔ عن ابان بن عثمان عن الصادق[ع]، انہ قال لا دین لمن لا تقیۃ لہ۔ ولا ایمان لمن لا ورع لہ۔ ح ۲۲، باب ۲۴ کتاب امر بالمعروف۔

۳۔ عن ابن ابی یعفور عن الصادق[ع] لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ۔ الحدیث۔ ح ۶۔ باب ۲۴۔ کتاب امر بالمعروف

نزدیک سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرتا ہو اور ایمان بغیر تقیہ کے بدن بے سر کی مانند ہے۔ اور موارد تقیہ میں خدا اور اس کے اولیاء کے نزدیک کوئی چیز تقیہ سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ روایات درج ذیل ہیں۔

۹۔ کلینیؒ نے کافی میں حبیب ابن بشر سے نقل کیا ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا میں نے اپنے باپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ روئے زمین پر تقیہ سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں۔ اے حبیب! جس کے پاس تقیہ کا ہتھیار ہو خدا اسے رفعت عطا فرماتا ہے۔ اے حبیب! جس کے پاس تقیہ نہ ہو خدا اسے نیچا دکھاتا ہے۔ اے حبیب! لوگ غیبت میں بسر کر رہے ہیں۔ اگر غیبت کا زمانہ ختم ہو اور امام کا ظہور ہو جائے تو تقیہ واجب نہیں رہے گا۔[1]

۱۰۔ قول پروردگار متعال:۔ "وعملوا الصالحات" کی تشریح میں تفسیر امام حسن عسکریؑ میں منقول ہے آنحضرتؐ نے فرمایا:۔ "اس قول کا مطلب توحید کے بعد تمام فرائض کی انجام دہی اور نبوت و امامت کا اعتقاد رکھنا۔ لیکن سب سے بڑے دو فرائض ہیں۔ اپنے دینی بھائیوں کے حقوق ادا کرنا اور دشمنوں سے بچنے کے لئے تقیہ کا سہارا لینا۔"[2]

مخفی نہ رہے کہ الوسائل کے اٹھائیسویں باب یعنی باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں دو حدیثیں نبوی ہیں۔ اور امام حسن عسکریؑ تک ایک ایک حدیث ہر امام سے منقول ہے کل ملا کر تیرہ[۱۳] حدیثیں ہیں اور ہر حدیث امام کی تفسیر اور اس کی وساطت سے منقول ہے۔ صاحب وسائل نے آئمہؑ کی ترتیب کے تحت ان کو نقل کیا ہے۔ اگرچہ ان کی عبارتیں اور الفاظ مختلف

---

۱۔ ح ۸۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ ح ۱۔ باب ۲۸۔ ابوامر بالمعروف۔

لیکن سبھی ایک مطلب کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور وہ یہ کہ ائمہ علیہم السلام کے نزدیک بہترین چیز اور ان کا پسندیدہ اخلاق، تقیہ اور دینی بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ ان کے نزدیک ترک تقیہ ناقابل بخشش گناہوں میں سے ہے۔

۱۱۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ میں ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: بغیر تقیہ کے مومن ایسا ہی ہے جیسا بغیر سر کے بدن[۱]

۱۲۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: تقیہ مومن کے ان بہترین اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ وہ اپنے نفس اور اپنے بھائیوں کو ظالموں سے محفوظ رکھتا ہے۔[۲]

یہ حدیث اس امر کی شاہد ہے کہ تقیہ صرف اپنی جان بچانے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اپنے بھائیوں کی جان بچانے کے لئے بھی جائز ہے۔ البتہ آگے چل کر تنبیہات میں عرض کریں گے کہ وہ مومن بھائی جن کے لئے تقیہ کیا جاتا ہے ان کا معلوم اور مشخص ہونا ضروری ہے۔ یا نوع مومنین کے لئے بھی تقیہ جائز ہے۔ چاہے اشخاص معلوم نہ ہوں۔؟

۱۳۔ امام حسن عسکریؑ اپنے جد بزرگوار امام زین العابدینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "خدا مومن کے ہر گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس کو دنیا و آخرت میں ہر گناہ کی آلودگی سے پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ مگر دو گناہوں کو نہیں بخشتا۔ ایک ترک تقیہ اور دوسرے اپنے بھائیوں کے حقوق پائمال کرنا۔"[۳]

---

۱۔ ج ۲۔ باب ۲۸۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ عن امیر المؤمنین ؑ: التقیة من افضل اعمال المؤمنین یصون بها انفسه و اخوانه عن الفاجرین۔ ج ۲۔ باب ۲۸۔ ابواب امر بالمعروف۔

بقیہ آئندہ صفحہ پر۔

۱۴۔ امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں شخص ایک تہمت میں پکڑا گیا اور اسے سو کوڑے لگائے گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس نے مومن کا حق پائمال کیا تھا اور تقیہ کو ترک کیا تھا اور پھر جب متوجہ ہوا تو اس نے توبہ کی۔[1] یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ترک تقیہ صرف عذاب اخروی کا ہی باعث نہیں بنتا بلکہ دنیاوی عذاب کا باعث بھی بنتا ہے۔"

۱۵۔ علی ابن محمد الخزاز نے حسین ابن خالد کے حوالے سے امام رضاؑ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس کے پاس ورع نہیں وہ دین سے خالی ہے اور جس کے پاس تقیہ نہیں وہ ایمان سے بے بہرہ ہے اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرتا ہو۔ عرض کیا گیا اے فرزند رسولؐ تقیہ کب تک؟ آپ نے فرمایا۔ قائمؑ کے قیام تک جو قائمؑ کے ظہور سے پہلے تقیہ ترک کردے وہ ہم سے نہیں ہے۔[2]

---

صفحہ گذشتہ کا بقیہ۔۲۔ عن علی ابن حسین (ع)۔ یغفر اللہ للمومن کل ذنب ویطہرہ منہ فی الدنیا والآخرۃ ملخلا ذنبین، ترک التقیۃ وتضییع حقوق الاخوان۔ ۲۔ ح ۲ باب ۲۸۔ ابواب امر بالمعروف

۱۔ وعنہ (ع) ایضاً قیل لمحمد بن علی (ع) ان فلاناً اخذ بتہمۃ فضربوہ مأۃ سوق۔ فقال محمد بن علی (ع) انہ ضیع حق اخ مومن وترك التقیۃ فوجہ الیہ فتاب۔ ح ۱۱ باب ۲۸ ابواب امر بالمعروف

۲۔ علی ابن محمد الخزاز عن الحسین ابن خالد عن الرضا (ع)، قال، لا دین لمن لا ورع لہ ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ وان اکرمکم عند اللہ اعملکم بالتقیۃ۔ قیل یا ابن رسول اللہ (ص)، الی متیٰ؟ قال، الی قیام القائمؑ فمن ترک التقیۃ قبل خروج قائمنا فلیس منا۔ الخ ح ۲۵۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

# چوتھا طائفہ

وہ احادیث ہیں جو افعال انبیاء میں تقیہ کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اور بتاتی ہیں کہ انبیاء ماسلف نے کئی مواقع پر تقیہ سے کام لیا ہے۔ روایات درج ذیل ہیں۔

۱۶۔ صدوقؒ نے "علل" میں ابی بصیر کے حوالے سے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اس شخص کے پاس کوئی خیر نہیں جو تقیہ پر عمل نہیں کرتا جب کہ حضرت یوسفؑ نے تقیہ پر عمل کرتے ہوئے فرمایا، "اے قافلہ والو تم چور ہو" حالانکہ انھوں نے چوری نہیں کی تھی۔[1]

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ حضرت یوسفؑ نے بذات خود یہ فقرہ ارشاد نہیں فرمایا لیکن چونکہ آپ کے امر اور آپکی رضایت سے آپکے ماتحتوں نے یہ جملہ کہا ہے لہذا اس کی نسبت حضرت یوسفؑ کی طرف دی گئی ہے۔ اس لئے کہ قافلہ والوں نے اس وقت کوئی چوری نہیں کی تھی البتہ پہلے انھوں نے حضرت یوسفؑ کو چرایا تھا۔ لہذا حضرت یوسفؑ کا مؤذن سے یہ جملہ کہلانا تقیہ نہیں بلکہ ایک قسم کا توریہ ہے۔ لیکن یہ توریہ بھی بعض مصالح کے تحت بربنائے تقیہ حق کو پوشیدہ رکھ کے حضرت بنیامین کو اپنے پاس روک لینے کی خاطر کیا گیا۔

اور مخفی نہ رہے کہ یہ تقیہ بھی جان کے خطرے کو ٹالنے کے لئے نہیں بلکہ دوسرے مصالح کی بنا پر ہے۔ عنقریب ہم بیان کریں گے کہ تقیہ صرف خوف ہی کی بنا پر نہیں ہوتا۔

---

۱۔ عن ابی بصیر قال، سمعت ابا جعفر (ع) یقول، لا خیر فیمن لا تقیۃ لہ ولقد قال یوسفؑ " ایتھا العیر انکم لسارقون " واللہ ما سرقوا۔ ح ۷ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

البتہ واضح ہے کہ تقیہ کی یہ قسمیں بیان احکام اور تبلیغ رسالت میں نہیں جس کی بنا
کسی کو یہ وہم ہو کہ انبیاء و مرسلین کے لئے تقیہ جائز نہیں۔ بلکہ یہ باب تبلیغ کے علاوہ بعض مصالح
کی حفاظت کے لئے ہیں

۱۷۔ اس روایت کو بھی حضرت صدوقؒ نے "علل" میں ابوبصیر کے واسطے سے
امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: "تقیہ دین پروردگار متعال ہے" میں نے عرض
کی آیا تقیہ دین خدا کا جز ہے۔؟ تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ اسی لئے حضرت
یوسف نے فرمایا اے قافلہ والو! تم نے چوری کی ہے۔ حالانکہ خدا کی قسم انھوں نے کچھ نہیں چرایا[۱]
........ اس روایت کی توجیہ بھی وہی ہے جو گذشتہ روایت کی ہے۔

۱۸۔ اس روایت کو کلینی نے کافی میں ابوبصیر کے حوالے سے حضرت ابو عبداللہؑ سے
نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا تقیہ دین الٰہی کا جز ہے۔ اس کے بعد وہی پہلی روایت والے فقرے
ارشاد فرمانے کے بعد امامؑ نے اضافہ فرمایا، بے شک حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا "میں بیمار ہوں"،
جب کہ خدا کی قسم وہ بیمار نہیں تھے۔[۲]

---

۱۔ عن ابوبصیر قال، قال ابو عبداللہ (ع) التقیۃ دین اللہ عزّ وجلّ۔ قلت من دین اللہ۔؟ قال:
فقال اخوین دین اللہ لقد قال یوسف (ع)، "ایتھا العیر انکم لسارقون" واللہ، ما کانوا سرقوا شیئاً ح ۱۸
باب ۲۴۔ الوامر بالمعروف۔

۲۔ فی الکافی عن ابی بصیر ایضاً قال، قال ابو عبداللہ (ع)۔ التقیۃ من دین اللہ ثم روی نحو الروایۃ
السابقۃ۔ ثم زاد قولہ ولقد قال ابراھیم (ع) "انی سقیم" واللہ ما کان سقیماً۔ ح ۴۔
باب ۲۵۔ الواب امر بالمعروف۔

جناب ابراہیمؑ کے اس قول کو صرف اس بنا پر تقیہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دینی مصلحتوں کی بنا پر اپنی حالت کو پوشیدہ رکھا۔ یہ احکام میں تقیہ نہیں بلکہ یہ موضوعات میں ہے جو آپ کی رسالت سے منافات نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ بت شکنی عین ادائے رسالت ہے۔

۱۹۔ معانی الاخبار میں سفیان ابن سعید کہتے ہیں۔ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا تم پر تقیہ لازمی ہے اس لئے کہ بے شک تقیہ سنت خلیل خدا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: رسولؐ خدا جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنے خاندان والوں کے ساتھ مدارات کرتے تھے اور فرماتے تھے مجھے میرے پروردگار نے لوگوں کے ساتھ مدارات کا حکم دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مجھے اقامۂ فرائض پر مامور فرمایا ہے۔ خدا نے آنحضرت کو تقیہ کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا: "ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما یلقاھا الا الذین صبروا" اے سفیان جو دین خدا میں تقیہ استعمال کرتا ہے وہ قرآن سے بڑے پیمانہ پر فائدہ اٹھاتا ہے بے شک مومن کی عزت زبان کی حفاظت میں ہے۔ جو شخص اپنی زبان کا مالک نہیں وہ ندامت اٹھاتا ہے۔[1]

یہ روایت شاہد ہے کہ پیغمبر اسلامؐ بھی بعض موضوعات میں لوگوں کے ساتھ مدارات اور قلوب مومنین سے بغض و عداوت دور کرنے کی خاطر تقیہ سے کام لیا کرتے تھے جب کہ احکام اور تبلیغ رسالت میں ہرگز تقیہ نہیں کرتے تھے۔

اس روایت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بتوں کے سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ کا تقیہ یہ کہتے ہوئے کہ "میں بیمار ہوں" یا حضرت کا یہ فرمانا کہ "یہ میرا پروردگار ہے" یا یہ قول کہ

---

۱۔ ح ۱۶۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

" بلکہ ان کے بڑے نے یہ فعل انجام دیا ہے " حضرت ابراہیم کی سنّت ہے ۔ اور یہ تقیہ کے ایک وسیع مفہوم میں داخل ہے جو "بعض اہم مصالح کی خاطر کسی مہم امر کو پوشیدہ رکھنا" ہے ۔

۲۰۔ کلینی نے ہشام ابن سالم کے حوالہ سے امام جعفر صادقؑ سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: بے شک ابوطالب کی مثال اصحاب کہف کی ہے جنھوں نے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور شرک کا اظہار کیا پس خدا نے ان کو دوہرا اجر عطا فرمایا۔[1]

مذکورہ آیت اگرچہ نبیوں کے تقیہ کے بارے میں نہیں تاہم ہم نے اس کو نبیوں کے تقیہ سے ملحق کرکے ذکر کیا ہے ..... قرآن مجید میں اصحاب کہف کا قصہ موجود ہے ۔ لیکن اس میں لفظ تقیہ صراحت کے ساتھ موجود نہیں ۔ مگر قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاف کہف اپنے دوستوں سے تقیہ کرتے تھے اور آخر میں اپنی قوم سے کنارہ کشی کرکے انھوں نے اپنا راز فاش ہوجانے کے نتیجہ میں بادشاہ کی سختیوں کے خوف سے ایک غار میں پناہ لے لی ۔ اگر وہ اپنے ایمان کو ظاہر کردیتے تو قتل کردیئے جاتے ۔ اسی لئے وہ ایک عرصہ تک اپنا ایمان چھپائے رہے یہاں تک کہ خدا نے ان کو ہجرت کرجانے کی توفیق عطا فرمائی ۔ وہ اظہار ایمان کی فرصت کی تلاش میں اپنی قوم کے درمیان سے ہجرت کرگئے تاکہ ان کو تقیہ میں رہ کر اظہار شرک نہ کرنا پڑے ..... روایات اور تواریخ میں ایسے شواہد موجود ہیں ۔ اگرچہ لفظ تقیہ سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے لیکن مطلب اسقدر واضح ہے کہ لفظ تقیہ کے ذکر کی ضرورت نہیں ۔

یہ روایت پیغمبر اسلامؐ کے عم بزرگوار جو دل وجان سے حضورؐ کی حمایت میں کوشاں

---

۱۔ ح ۱۔ باب ۲۹ ۔ ابواب امر بالمعروف ۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ابوطالب نے شرک کا اظہار کیا ( مترجم )

رہتے تھے کے تقیہ پر بھی دلالت کرتی ہے ..... البتہ ان کا تقیہ اکثر مواقع پر ان کے اظہار ایمان سے منافات نہیں رکھتا جیسا کہ تاریخ و روایات سے پتہ چلتا ہے .... مگر حضرت ابوطالب اکثر تقیہ کرتے تھے نہ ہمیشہ اور وہ بھی دشمنوں سے ہوتا تھا نہ کہ دوستوں سے شاید اسی وجہ سے مخالفین نے ان پر معاذ اللہ مشرک ہونے کا الزام لگایا ہے۔

بہر حال یہ روایات کم سے کم ان موارد تقیہ میں اس کے استحباب یا وجوب پر دلالت کرتی ہیں جن میں اخفاء حق واجب ہو یا کم سے کم رجحان رکھتا ہو ..... اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جو تقیہ کے رجحان یا وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ آئندہ بحثوں میں ہم ان روایات کو ذکر کریں گے اور چونکہ یہ روایات متواتر ہیں لہٰذا اصل وجوب تقیہ میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

# چند ضروری امور

## اوّل۔ تقیہ میں اسقدر تاکید کی علت اور سبب کیا ہے؟

اس کا جواب پیش کرنے سے پہلے ہم سوال کی وضاحت کر دیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان روایات کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ تقیہ میں اتنی تاکید ہے جو دوسرے مسائل میں کم نظیر ہے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے وحشت اور بدظنی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔؟ حالانکہ یہ وحشت اور بدگمانی تقیہ کے اسرار و رموز نہ جاننے کی بنا پر ہے۔ ..... اس کے برعکس اگر انسان تقیہ اور اس کی مشروعیت کے زمانوں میں تدبر سے کام لے کر ان شواہد کا مطالعہ کرے جو اس میں موجود ہیں تو اس کا راز اس کے سامنے منکشف ہو کر تقیہ کی حقیقی تصویر پیش کر دے گا جس کے نتیجہ میں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ امر تقیہ میں اسقدر اہتمام کی دو بڑی وجہیں ہو سکتی ہیں۔

## پہلی وجہ:

یہ ہے کہ شیعوں میں سے عوام کی اکثریت اور بعض خواص امویوں اور عباسیوں جیسی فاسد حکومتوں کے سامنے بلاخوف وخطر اور بغیر کسی دلیل قطعی کے اظہار حق کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے تھے..... گویا ان کا نظریہ یہ تھا کہ اعلان حق ضروری ہے چاہے وہ منفعت بخش اور واجب نہ بھی ہو اور اس کو پوشیدہ رکھنا حرام ہے چاہے وہ مذہب اور اس کے مقدسات کے لئے باعث ضعف وضرر نہ بھی ہو۔ بلکہ چاہے اخفاء حق نفوس واعراض کی حفاظت اور مذہب اور اس کے مقدسات کے لئے مفید ہی کیوں نہ ہو..... یا.....

.... وہ یہ خیال کرتے تھے کہ تقیہ جھوٹ ہے اور کلمۂ شرک کا زبان پر لانا شرک وکفر ہے چاہے دل ایمان سے مطمئن ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ کلمۂ کفر کے اظہار کے بعد عار بھوت بھوت کر رہے اور انھوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں جو ان کے لئے ہلاکت کے مترادف ہے..... چونکہ صورت حال یہ تھی لہٰذا آئمہ معصومین علیہم السلام نے ایسے غیر مفید اعمال سے روکا اور ان کی باطل آراء کو رد کر دیا جس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے ایسے مواد میں تقیہ کو سپر اور ڈھال وغیرہ سے تعبیر کیا۔

اس کے علاوہ امام جعفر صادقؑ کی وہ روایت ہے کہ جس کو حذیفہ نے پروردگار عالم کے اس قول "ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ" کے بارے میں نقل کیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ یہ تقیہ کے بارے میں ہے[1]..... اور..... شاید وہ روایات

---

۱۔ ح ۳۵۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

کہ جن میں انبیاء اور اولیاء کے تقیہ کا تذکرہ ہے اس امر کی بہترین دلیل ہیں کہ تقیہ نہ تو کذب ممنوع ہے اور نہ کفر اور دین سے خارج ہو جانے کا موجب ہے۔ بشرطیکہ موقع سے ہو۔ چنانچہ اس کی شہادت میں ہم وہ روایات پیش کر رہے ہیں کہ جس کو کلینی نے "درست واسطی" کے ذریعہ ابو عبداللہؑ سے نقل کیا ہے "آپ نے فرمایا کہ اصحاب کہف جیسا تقیہ کسی نے نہیں کیا۔ اگرچہ وہ ان کی عیدوں میں شریک ہوتے تھے اور "زنار" بھی باندھتے تھے مگر خدا نے ان کو دوہرا اجر کرامت فرمایا"[1]

## دوسری وجہ

یہ ہے کہ شیعہ عوام کی اکثریت اور بعض خواص اپنے کو مسلمانوں سے الگ کر لینے ہی میں عافیت سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ اگر وہ اپنے عقیدے کا اظہار کرتے تھے تو اس سے نہ صرف ان کو جان کا خطرہ ہوتا تھا بلکہ دشمنی اور بغض میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔ اور اگر وہ اس کو چھپانے پر مجبور ہوتے تھے تو وہ خود کو حق کے سامنے قصوروار سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو جھوٹ کا مرتکب خیال کرتے تھے۔ لہٰذا وہ سنی مسلمانوں کے ساتھ ترک معاشرت ہی کو ترجیح دیتے تھے۔ جبکہ وہ اس ترک معاشرت کے نقصانات سے قطعی طور پر غافل تھے۔ کہ اس سے خشونت و بے ادبی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور عواطف انسانیہ کو ٹھیس پہنچتی ہے..... چنانچہ..... ائمہ علیہم السلام نے ان کو سنیوں کے ساتھ معاشرت برقرار رکھنے کی تاکید کی تاکہ ان پر ترک معاشرت کا الزام نہ لگایا جائے اور وہ اپنے اماموں کے لئے بدنامی کا باعث نہ بنیں۔

---

۱۔ ج ۱۔ باب ۲۶ ۔ ابواب امر بالمعروف۔

چاہیے اس راہ میں ان کو تقیہ کا وسیلہ ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔ ہمارے اس مدعا کی گواہ درج ذیل روایتیں ہیں

۱۔ کافی میں کلینی نے ہشام الکندی کی زبانی نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں نے صادق آل محمد کو فرماتے ہوئے سنا..... خبردار! کوئی ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے لوگ ہم پر انگلی اٹھائیں اس لئے کہ بیٹے کی نالائقی کے سبب لوگ اس کے باپ پر انگلی اٹھاتے ہیں۔ اپنے گذشتگان کی نیک نامی کا باعث بنو ان کی بدنامی کا باعث نہ بنو۔ سنیوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ ان کے مریضوں کی عیادت کرو۔ ان کے جنازوں میں شرکت کرو.......... یاد رکھو! وہ تم پر کسی امر خیر میں سبقت نہ لے جائیں۔ اس لئے کہ انجام خیر کے لئے ان کی بہ نسبت تم زیادہ بہتر ہو۔ خدا کی قسم تقیہ سے زیادہ بہتر کسی چیز کے ذریعہ بھی خدا کی عبادت نہیں کی گئی ہے[1]

یہ روایت بہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ اہلسنت سے کنارہ کشی درست نہیں بلکہ ان کے ساتھ معاشرت لازم ہے۔ مثال کے طور پر ان کے ساتھ نماز، ان کے مریضوں کی عیادت، جنازوں میں شرکت اور اس کے علاوہ تمام امور میں ان کے ساتھ تعاون اور حسن معاشرت لازمی ہے۔ تاکہ وہ ننگ معاشرت کے بہانے سے تمہارے ائمہ پر انگلی نہ اٹھا سکیں

---

۱۔ فی الکافی عن هشام الکندی قال سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول: ایاکم ان تعملوا عملاً نعیر به فان ولد السوء یعیر والده بعمله، کونوا لمن انقطعتم الیه زیناً ولا تکونوا علیه شیناً، صلوا فی عشائرهم وعودوا مرضاهم واشهدوا جنائزهم ولا یسبقونکم الی شیء من الخیر فانتم اولی به منهم، واللہ ما عبداللہ بشیء احب الیه من الخباء، قلت وما الخباء؟ قال: التقیة۔ ج ۲۔ باب ۲۶۔ ابواب امر بالمعروف۔

اور خود ان کی اور ان کے ماننے والوں کی اذیت کا سامان فراہم نہ کر سکیں۔ اور یہاں ان کے ساتھ حسن معاشرت کے سلسلہ میں تقیہ جائز ہے اور یہ تقیہ پسندیدہ ہے۔

اس روایت کو بھی کلینی نے مدرک ابن ہزہار کے حوالہ سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا اس بندے پر رحم کرے جو عوام الناس کے ساتھ مودت کا برتاؤ رکھتا ہے۔ وہی کرتا ہے جس کو وہ پسند کرتے ہیں اور جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں اس کو ترک کرتا ہے۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے من پسند بات کہنا اور ناپسندیدہ باتوں کو ترک کرنا تقیہ کے محبوب ترین موارد میں سے ہے۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں ہے کہ امام حسنؑ نے فرمایا "تقیہ کے ذریعہ خدا امت کی اصلاح فرماتا ہے۔ تقیہ کرنے والے کا ثواب امت کے اعمال کے ثواب کے برابر ہے مگر وہ تقیہ ترک کر دے تو گویا اس نے امت کو ہلاک کیا ہے" اس کا مطلب یہ ہوا کہ "تارک تقیہ امت کو ہلاک کرنے والے کا شریک ہوتا ہے۔[2]

اس روایت میں تقیہ کو امت کے حقوق کے ساتھ ذکر کرنے کا مطلب شاید یہ ہو کہ یہ دونوں امت کی وحدت اور اس کے مذہب کی حفاظت میں شریک ہیں۔ اگرچہ تقیہ میں تاکید خواص "شیعوں" کے لئے ہے اور حقوق امت کی تاکید عامۃ "سنیوں" کے لئے ہے۔

اس کے علاوہ قصہ حضرت ذوالقرنین میں خداوند متعال کے اس قول "اجعل بیننا

---

۱۔ ذالک ایضاً عن مدرک ابن ھزھار عن ابی عبد اللہ ع، قال رحم اللہ عبداً اجتر مودۃ الناس الی نفسہ فحدثھم بما یعرفون وترک ما ینکرون۔ ح ۴ - باب ۲۶ - ابواب امر بالمعروف۔

وبینہم سدا " اور " فما استطاعوا ان یظہروہ وما استطاعوا لہ نقبا " کی تفسیر میں بہت ساری روایات میں وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد تقیہ ہے۔ اس لئے کہ تمہارے اور دشمنوں کے درمیان ایسی مضبوط دیوار ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے دشمنوں کا کوئی وار کارگر نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ آیت سے یہ معنیٰ مراد لینے کے لئے اس کے ظاہر سے عدول کر کے اس کی تاویل میں جانا پڑے گا تاکہ اس کے مناسب معنی پیدا کئے جائیں لیکن بہر حال آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ تقیہ دشمن کے لئے بہترین سدباب ہے۔ یہ صرف دشمن کی جانب سے پہونچنے والے نقصانات ہی کے دروازے بند نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کی تہمت، ملامت وغیرہ کے سدباب کے لئے بھی اچھا چارہ گر اور ایسی دیوار ہے کہ دشمن نہ تو اس کو پھاند سکتا ہے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکتا ہے۔

علاوہ بر این اس میں آئمہ معصومین علیہم السلام پر کمینہ لوگوں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات، جھوٹی افواہوں اور بغض و عناد کا بھی سدباب ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دشمن اپنے فاسد منصوبوں کو بروئے کار نہیں لا سکتا۔ اور نہ ہی ان مقدس ہستیوں کی ہتک حرمت کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ "مجالس" میں مذکور امام علی ابن محمدؑ سے ایک روایت اس شاہد ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا، جو شخص تقیہ نہ کر کے کمینہ لوگوں سے ہم کو محفوظ نہیں رکھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[1]

---

۱۔ قال الصادق ؑ، لیس منا من لم یلزم التقیۃ ویصوننا عن سفلۃ الرعیۃ۔ ح ۲۷۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

## ۲۔ تقیہ کی غرض و غایت اور اس کی قسمیں

مذکورہ بیان سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ تقیہ کی غرض و غایت صرف نفوس مومنین کی حفاظت اور ان کو درپیش خطرات کا دفاع یا ان کے اموال و ناموس کی صیانت ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی وحدت کی حفاظت اور ان کے درمیان رشتۂ محبت برقرار کرنے اور ان کے دلوں کی کدورتوں کے بادل صاف کرنے کے لئے کبھی کبھی ایسے مواقع پر تقیہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں عقیدے کے اظہار اور اس کے دفاع میں کوئی مصلحت اور مہم فائدہ موجود نہ ہو ..... اسی طرح تبلیغ رسالت کے فریضہ کو بطور احسن انجام دینے کے لئے بھی تقیہ کا استعمال مشروع ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بت پرستوں کے مقابلہ میں کیا۔ یا اس کے علاوہ اگر کوئی مصلحت ہو تو اس کی خاطر بھی تقیہ جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے سامنے تقیہ سے کام لیا۔

بنابراین تقیہ کے وسیع مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی قسمیں درج ذیل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ تقیہ خوفی۔

۲۔ تقیہ تحسینی۔

۳۔ مختلف مصلحتوں کی خاطر تقیہ۔

گذشتہ بیانات میں تینوں قسموں کی تشریح مثالوں کے ساتھ ہو چکی ہے۔" مترجم"

البتہ مخفی نہ رہے کہ تقیہ کی یہ تمام قسمیں ایک وسیع مفہوم کے تحت جمع ہو سکتی ہیں۔ اور وہ مفہوم یہ ہے کہ انسان کسی اہم مصلحت کے تحت عقیدہ کو پوشیدہ رکھے اور اس کے خلاف اظہار کرے یعنی اہم کو بجالائے اور مہم کو ترک کر دے جس کی تائید میں عقلی اور نقلی دلیلیں موجود ہیں۔ وہ اہم مصلحت چاہے دشمنوں سے اپنے نفوس، نوامیس و اموال کی حفاظت ہو چاہے مسلمانوں کے درمیان ایجاد محبت اور بغض و دشمنی کو دور کرنا ہو۔ یا ان کے علاوہ بے شمار دوسرے مصالح ہوں جن کا ذکر لازمی نہیں ہے۔

## وجوب تقیہ کے موارد:

گذشتہ بیانات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بہت سے موارد ایسے ہیں جہاں تقیہ واجب ہے۔ جب کہ کچھ موارد میں مستحب ہے۔ اس کا کلی قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ مصلحت جو تقیہ کا باعث بنتی ہے ایسی ہو جس کی حفاظت واجب اور جس کو نظر انداز کرنا حرام ہو تو تقیہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر فعل و ترک کے اعتبار سے وہ مصلحت مساوی ہو تو تقیہ مستحب ہے۔ ... بہر حال تقیہ مصلحت کے رجحان یا عدم رجحان کے تابع ہے ......... پھر موارد وجوب کو مشخص کرنے اور بعض مصلحتوں کا دوسرے مصالح کے مقابلہ میں مرجح ہونے اور ان کی اہمیت کو درک کرنے کے لئے ذوق شرعی کے ساتھ ساتھ عقلی ضابطوں کی جانب رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر جان کی حفاظت کے لئے اگر انسان کو پاؤں پر مسح ترک کر کے موزوں پر مسح کرنے پر اکتفا کرنا پڑے تو اس سلسلہ میں وہ روایات اس کی مددگار ہوں گی جن میں ملتا ہے تقیہ جزو دین ہے۔ اور اس کا تارک لائق عقاب ہے۔ اور ترک تقیہ مثل ترک نماز ہے۔ یا اس قسم کی دیگر تعبیریں جن سے وجوب تقیہ سمجھ میں آتا ہے اور وہ ایسی ضروری مصلحتوں کے

بارے میں ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ..... اسی طرح وہ روایات جو قول پروردگار " ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ " کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں کہ اس سے مراد تقیہ ہے ..... اور جب انسان تقیہ پر عمل کرے تو وہ دشمن کا سد باب کر کے اپنے لئے اچھے دوست بنا سکتا ہے۔ " فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم " یہ وہ روایتیں ہیں جو تقیہ کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ..... خلاصہ اخبار تقیہ بے شمار ہیں اور ان کے لہجۂ بیان میں حد درجہ اختلاف ہے۔ چنانچہ وہ مختلف موارد کے لئے ہیں اور ہر مورد پر ایک ہی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

## ایک ضروری آگاہی!

مذکورہ مطالب کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ تقیہ صرف شیعوں ہی کے نزدیک واجب نہیں اور صرف شیعوں کی روایات اور ان کے آئمہ علیہم السلام کے اقوال اس کے جواز یا وجوب پر دلالت نہیں کرتے بلکہ قرآنی آیات، اجماع قاطع، احادیث متواترہ کے علاوہ عقل سلیم بھی اس کے جائز ہونے کی گواہ ہیں۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی مسلم ہے کہ تقیہ کسی قوم وملت یا دین ومذہب سے مخصوص نہیں اور ہر قوم ملت ومذہب کے ماننے والے اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور ضرورت کے وقت اسے اپنی سپر بناتے ہیں۔ ..... کیا کسی صاحب عقل کو آپ نے دیکھا ہے کہ وہ ایسے موارد میں اظہار عقیدہ کرتا ہو جن میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو یا بالکل فائدہ نہ ہو؟ نقصان سے بچنے کے لئے اور اپنی جان ومال کی حفاظت کے لئے ہر صاحب عقل تقیہ سے استفادہ کرتے ہوئے ایسے مواقع پر اظہار عقیدہ سے باز رہتا ہے۔ ..... بلکہ

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ سرے سے تقیہ کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس میں کسی استثنا کے روادار نہیں ہیں وہ بھی صرف زبانی حد تک ایسا کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی عملی زندگی کا مشاہدہ کریں تو تقیہ سے پرنظر آئے گی۔ ان کے زبانی دعوے صرف روزی روٹی برقرار رکھنے کیلئے ہیں۔ ورنہ عملی میدان میں ایسے موارد میں تقیہ پر عمل کرنے کے سلسلہ میں کہ جن میں اظہار عقیدہ بے فائدہ اور باعث ضرر ہو محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ حکم عقل ہے اور کوئی بھی صاحب عقل اس سے سرپیچی نہیں کرسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے اس عمل کو تقیہ نہ کہتا ہو۔

تقیہ کے موارد وجوب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ہم پیشگی عرض کردیں کہ عنقریب ہم ایسے موارد بھی بیان کریں گے جن میں نہ صرف تقیہ حرام ہے بلکہ ان میں جان و مال کی قربانی واجب ہے اور ان مواقع پر تقیہ کی مخالفت نہ فقط پسندیدہ ہے بلکہ موجب فضیلت ہے۔

اگر زمانہ سے باخبر کوئی مجتہد یا فقیہ حالات کے پیش نظر احکام الٰہی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کسی خاص زمانہ میں تقیہ کی حرمت کا فتوی صادر کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کردے کہ اب مدارات کی گنجائش نہیں بلکہ دشمن کے مقابلہ میں جان اور مال کے ذریعہ جہاد واجب ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ تقیہ ہمیشہ حرام ہے۔

# موارد حرمت تقیہ

بحث کے آغاز میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ بلند پایہ محققین اور عظیم فقہا نے تقیہ کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اور بطور اجمال ہم نے ان مواقع کی طرف اشارہ کیا ہے جنہیں تقیہ واجب، مستحب اور جائز ہوتا ہے۔ اب ذیل میں ان مواقع کا ذکر ہے جن میں تقیہ حرام ہے۔

## ۱۔ اگر دین میں فساد کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز نہیں ہے

اگر تقیہ کی وجہ سے دین میں فساد اور ارکان اسلام میں تزلزل پیدا ہو، شعائر الٰہی محو ہو رہے ہوں اور کفر کو طاقت مل رہی ہو یا کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو کہ شارع کی نظر میں جس کی حفاظت جان و مال سے زیادہ ضروری ہو تو ایسے ہر موقع پر بلاشبہ تقیہ حرام ہے

اور اس کا ترک کر دینا واجب ہے لیکن ان موارد کی تشخیص عام آدمی کے بس کا روگ نہیں بلکہ یہ فقہا و مجتہدین کا کام ہے۔ اس لئے کہ ان موارد کو درک کرنے کے لئے ادلۂ شرعیہ پر تسلط، عمدہ ذوق شریعت اور صالح فکر کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ..... قاعدہ اہم و مہم کے علاوہ چند روایات بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں جن کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ کافی میں کلینی نے مسعدۃ ابن صدقہ کے حوالے سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے کہ اگر مومن اظہار ایمان کے بعد کوئی ایسا عمل انجام دے جس سے ایمان کی نفی ہوتی ہو تو وہ مومنوں کی صف سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ ادعا کرے کہ اس نے جو عمل انجام دیا ہے وہ تقیہ کی بنا پر تھا تو دیکھنا یہ ہوگا کہ آیا اس مورد میں تقیہ جائز تھا یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تھا تو اس کا عذر ناقابل قبول ہے۔ اس لئے کہ تقیہ کے حدود معین ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا معاف نہیں ہے۔ "ما یتقی" کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ایسی قوم میں پھنسا ہوا ہو جو ظالم بھی ہوں اور اس پر غلبہ بھی رکھتے ہوں۔ اس صورت میں مومن کا ہر وہ عمل جو تقیہ کی بنا پر ہو اور دین میں فساد کا باعث نہ بنے مجاز شمار ہوگا۔

۱۔ ح ۶۔ باب ۲۵۔ ابواب امر بالمعروف۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تقیہ کی وجہ سے دین میں فساد کا اندیشہ ہو تو تقیہ جائز نہیں ہے۔

۲۔ اس روایت کو "کشی" نے اپنی "رجال" میں درست ابن ابی منصور سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں امام کاظمؑ کی خدمت میں حاضر تھا اور "کمیت ابن زید" بھی وہاں موجود تھا ..... امام نے "کمیت" پر اعتراض کرتے ہوئے بعنوان سرزنش فرمایا: کیا یہ شعر تمہارا ہی ہے۔؟ "اب میں بنی امیہ کے ساتھ ہوں اور ان کے امور کی برگشت میری جانب

ہے[1] کمیت نے عرض کی "ہاں" میں نے ہی کہا ہے۔ لیکن میں اپنے ایمان سے منحرف نہیں ہوا ہوں۔ میں آپ کا غلام ہوں اور آپ کے دشمنوں سے نفرت کرتا ہوں۔ البتہ میں نے یہ شعر تقیہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ ........ تب امامؑ نے فرمایا اگر ایسے ہی تقیہ ہونے لگے تو پھر شراب میں بھی تقیہ جائز ہو جائے ۔ .......... اس کا مطلب یہ ہے کہ امامؑ ہر مورد میں تقیہ جائز نہیں جانتے۔ اسی لئے آپ نے کمیت پر اس کے اس شعر کی بنا پر اعتراض کیا جس سے بنی امیہ کی مدح ہوتی تھی۔ اور جو اس بات کی علامت بن گیا کہ کمیت ایک مشہور و معروف محب اہل بیت کہلانے کے بعد بنی امیہ کے طرف دار ہو گئے ..........

چنانچہ کمیت "جیسا آدمی جب عذر پیش کرتا ہے کہ اس کا یہ شعر صرف زبانی اور ظاہر پر مبنی تھا تو امامؑ اس کے عذر کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر تقیہ کا میدان اس قدر وسیع ہوتا تو ہر چیز میں حتیٰ شراب پینے میں بھی تقیہ جائز ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ .......

امام موسی کاظم علیہ السلام کا کمیت پر اعتراض اور سرزنش اس امر کی دلیل ہے کہ بنی امیہ جیسے ظالموں کی تعریف یا ان سے اظہار محبت جیسے امور میں تقیہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کے افراد کبھی کبھی کفر کی بنیادوں کو مضبوط، اور گمراہی اور جہالت کی تائید و طرفداری کا موجب بنتے ہیں جس سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔ لہذا ایسے مواقع پر تقیہ ناجائز ہے۔ ........ جب اس ایک بیت کی حد تک تقیہ جائز نہ ہوا تو ظاہر ہے پھر اس قسم کی ایسی باتیں کرنے میں جن سے کفر و ضلال کو قوت پہنچتی ہو اور ہدایت مخفی ہو جاتی ہو حق باطل کے ساتھ مشتبہ ہو کر بہت سے لوگوں سے مخفی ہو جاتا ہو۔ تقیہ کب جائز ہوگا۔ خاص

---

۱۔ فالات سرت اخامیۃ والامور لسھا الی مصادر

طور سے ان لوگوں کے لئے جن کے اقوال بطور سند پیش کئے جاتے ہوں اور جن کا فعل نمونۂ عمل ہو ایسے موارد میں تقیہ حرام ہے ۔ البتہ ان موارد کی تشخیص جیسا کہ عرض ہو چکا ہے صرف فقیہ کے بس کی بات ہے ہر آدمی کا کام نہیں ۔

طبرسی نے احتجاج میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی زبانی امام رضا کی ایک حدیث نقل کی ہے[1] جس میں اگرچہ واضح طور پر ترک تقیہ کا باعث فساد دین کو قرار نہیں دیا گیا ہے لیکن دراصل باعث وہی ہے ۔ اس لئے کہ اس سے زیادہ اہم کوئی امر نہیں تھا جس کی وجہ سے ترک تقیہ ضروری ہوتا ۔ ...... البتہ احتمال ہے کہ وہ لوگ بغیر کسی خطرے کے تقیہ کرتے ہوں اور جہاں خطرہ ہو وہاں نہ کرتے ہوں تو امامؑ نے ان کو اس سے روکا ہو ۔

ابو حمزہ ثمالی ناقل ہیں کہ حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا " خدا کی قسم اگر تمہیں ہم نصرت کے لئے آواز دیں تو تم صاف انکار کر دو گے اور بہانہ یہ بناؤ گے کہ ہم تقیہ میں ہیں .... آیا تقیہ تمہیں ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز ہے ۔ ....... اسی حالت میں اگر قائمؑ کا ظہور ہو گیا تو تم سے معلوم کئے بغیر تم میں سے بہت سوں پر حد نفاق جاری کریں گے[2] "

یہ روایت واضح طور پر کہہ رہی ہے کہ اگر دین خطرے میں ہو اور امامؑ نصرت کے لئے پکاریں تو ترک تقیہ لازم ہے ۔ اس لئے کہ جو شخص اس موقع پر تقیہ کرے گا قائم آل محمدؐ اس پر حد جاری کریں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے مواقع پر تقیہ سخت حرام ہے ۔

بہر حال تقیہ دین کے لئے ہے ۔ چنانچہ اگر دین خطرے میں ہو اور اس کے ورکثار اور

---

۱ ۔ ح ۹ ۔ باب ۲۵ ۔ ابواب امر بالمعروف ۔

۲ ۔ ح ۲ ۔ باب ۳۱ ۔ " " " " " "

احکام جن کی بقا و ترویج کے لئے پہلے ہجرت کرنے والوں اور انکا اتباع کرنے والوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے ہیں اور اپنا خون دے کر اس کو بچایا ہے۔ مرے جانے کا اندیشہ ہو تو کسی قیمت پر بھی تقیہ جائز نہیں ہے۔

## ۲۔ قتل میں تقیہ جائز نہیں ہے۔

اگر تقیہ کی بنا پر کسی کو قتل کرنا پڑے مثال کے طور پر کوئی کافر یا فاسق کسی مومن کو قتل کر دینے کا حکم دے اور شخص مامور جانتا ہو کہ اگر میں مومن کو قتل نہیں کروں گا تو خود قتل ہو جاؤں گا ایسے موقع پر تقیہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ مومن کا خون محترم ہے۔ لہذا اپنی جان کی حفاظت کی خاطر دوسرے مومن کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ مومنوں کے نفوس مساوی ہیں۔ تقیہ خونریزی اور جان گنوانے سے بچنے کے لئے ہے لیکن اگر نوبت خونریزی تک پہنچ جائے تو تقیہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور ایسی صورت میں تقیہ کا حکم حکمت حکیم کے منافی ہے۔ ..... چنانچہ اس بارے میں کئی احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ ان روایات میں سے ایک روایت کو محمد ابن یعقوب کلینیؒ نے کافی میں محمد ابن مسلم کے حوالہ سے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تقیہ جان کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہے۔ لیکن جب اس سے کسی کی جان جاتی ہو تو ہرگز جائز نہیں ہے[۱]

---

۱۔ محمد بن یعقوب الکلینی عن بن مسلم عن ابی جعفر الباقر (ع) قال: انما جعل التقیہ

بقیہ صفحہ آئندہ پر

۲۔ دوسری روایت کو شیخ "تہذیب" میں ابوحمزہ ثمالی کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ زمین خدا پر ہمیشہ اور ہر دور میں ایسا عالم موجود رہتا ہے جو حق و باطل میں تمیز کرسکے ․․․․ تقیہ حفظ نفوس کے لئے ہے۔ اگر نفوس ہی اس کے ذریعہ خطرے میں پڑ جائیں تو تقیہ بے معنی ہوجائے گا۔[1]

## ۳۔ شراب خوری یا اس طرح کے محرمات میں تقیہ حرام ہے

روایات میں وارد ہے کہ بعض اہم امور جیسے شراب خوری یا نبید خوری، موزوں پر مسح، متعہ حج وغیرہ میں تقیہ حرام ہے۔ چنانچہ ہم پہلے روایات کو ذکر کردیں تب اس کا سبب بیان کریں گے۔

۱۔ امام جعفر صادقؑ سے ابن اعجمی نے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا۔ نبید اور موزوں پر مسح کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ جائز ہے۔[2]

---

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ ۱۔ لیحقن بہا الدم فاذا بلغ الدم فلیس التقیۃ۔ ج ۱۔ باب ۳۱۔ ابواب امر بالمعروف۔

۱۔ عن ابی حمزۃ ثمالی قال قال ابو عبداللہ (ع) لم تبق الارض الا و فیہا عالم یعرف الحق من الباطل و قال انما جعلت التقیۃ لیحقن بہا الدم فاذا بلغ التقیۃ الدم فلا تقیۃ۔ ج ۲۔ باب ۳۱ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ عن ابی عبداللہ (ع) فی حدیث قال۔ والتقیۃ فی کل شیٔ الا فی النبیذ والمسح علی الخفین۔ ج ۳۔ باب ۲۵۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ کافی میں زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا کیا موزوں پر مسح کرنے میں تقیہ ہے ؟ آپ نے فرمایا " تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سے کسی میں بھی میں تقیہ نہیں کرتا۔ نشہ آور چیز کا استعمال، موزوں پر مسح اور متعہ حج۔" زرارہ کہتے ہیں۔ امامؑ نے نہیں فرمایا تم پر واجب ہے کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی تقیہ نہ کرو۔[1]

ان امور میں تقیہ حرام ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان میں تقیہ بے جا ہے۔ اس لئے کہ تقیہ خوف و خطرے کے مواقع میں نفوس کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہے اور اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ جان کا خطرہ ایسے امور کے اظہار کے نتیجہ میں ہو سکتا ہے جن کو وضاحت کے ساتھ قرآن میں نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اگر قرآن یا سنت میں تصریح موجود ہو تو چاہے وہ عمل کسی بھی قوم کی سیرت کے منافی ہو تب بھی اس میں تقیہ نہیں ہے۔ ..... مذکورہ شراب خوری اور نبیذ جیسے امور کی حرمت صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود ہے۔ ..... ایسے ہی متعہ حج کے لئے بھی قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی ..... ذالک لمن یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام[1] یہ آیت وجوب یا کم سے کم جواز تقیہ کے لئے بہترین دلیل ہے۔ اور سنت نبوی میں بھی اسکا حکم موجود ہے جس کو فریقین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے بلکہ جناب " عمر " نے خاص طور سے اعلان کیا ہے۔ " دو متعہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں حلال تھے اور میں ان کو حرام قرار دیتا ہوں " یہ اعلان متعہ حج کے جائز قرار دیئے جانے کی بہترین دلیل ہے۔ چنانچہ ترک تقیہ کے لئے اتنا کافی ہے کہ انسان کے پاس قرآن یا سنت سے

---

[1] البقرۃ آیت ۱۹۶ ۔

بہترین دلیل موجود ہو۔

اسی طرح موزوں پر مسح نہ کر کے صرف پاؤں پر مسح کرنے پر اکتفا کرنے کے بارے میں بھی قرآن میں صراحت موجود ہے۔ "وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین"[1] روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاؤں یا سر پر مسح اسی وقت کہلائے گا جب ٹوپی یا موزوں پر مسح نہ کر کے خود پاؤں یا سر پر مسح کیا جائے۔ اور ہر شخص اسلامی دنیا میں ایسا کر سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس مورد میں بھی خوف کی بنا پر تقیہ کرنے پر مجبور ہو تو یہ تقیہ حکمی کہلائے گا۔

لیکن اگر جہالت اور تعصب معاشرہ ہی پر غالب ہو اور ان امور کے اظہار میں جان کا خطرہ ہو تو انسان تقیہ کرتے ہوئے ان امور کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ تمام اسلامی احکام و امور سے ان امور کی اہمیت زیادہ نہیں ہے۔ جب اظہار کلمۂ کفر میں تقیہ ہو سکتا ہے تو پھر شرب خمر یا موزوں پر مسح جیسے فرعی امور میں بدرجۂ اولیٰ بے اشکال ہے۔ .....

..... اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ روایات بھی اس کی مخالف نہیں۔ بلکہ روایات کی نظر اس نکتہ پر ہے کہ اس قسم کے امور میں جن کو قرآن نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہو اور سنت قطعی بھی اس کی تائید کر رہی ہو تقیہ کی حاجت پیش نہیں آتی۔ لیکن اگر کبھی بعض حالات میں جان و مال خطرے میں ہوں چاہے تعصب کی بنا پر یا جہالت کے سبب سے تو اس وقت ان امور میں بھی تقیہ جائز ہے۔ مثال کے طور پر اگر حاکم ظالم کے نزدیک موزوں پر مسح لازمی ہو یا وہ متعہ حج کو حرام جانتا ہو اور اس کا اعتقاد نہ رکھنے والے کو قتل کر دیتا ہو تو کیا ایسی

---

۱۔ المائدہ، آیت ۶۔

حالت میں بھی تقیہ ترک کر دیا جائے اور موت کو گلے لگالیا جائے؟ ہرگز ایسا نہیں کیا جاسکتا اور میرے خیال میں کسی کا یہ نظریہ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح قتل کے علاوہ وہ نقصانات جو شارع کی نظر میں ان امور سے زیادہ اہم ہیں تقیہ کو چھوڑ کر ان کا متحمل ہونا ہرگز واجب نہیں ہے۔

اس بیان سے روشن ہو جاتا ہے کہ زرارہ نے جو استدلال کر کے مذکورہ موارد میں عدم تقیہ کو امامؑ سے مخصوص کرنے کی سعی کی ہے وہ بے فائدہ ہے۔ اس لئے کہ قرآن و حدیث سے ان امور کا حکم واضح ہو جانے کے بعد حکم عام ہو جاتا ہے اور انسان ان میں تقیہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتا۔ لہذا اگرچہ "زرارہ" کا شمار فقہاء اہل بیت میں ہوتا ہے۔ لیکن در گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں" اور عصمت اہل عصمت علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ اس بنا پر ہم عرض کر سکتے ہیں کہ "زرارہ" کا استنباط بے محل ہے۔

ہمارے اس قول کی دلیل وہ روایت ہے جس کو صدوقؒ نے "الخصال" میں حضرت علی علیہ السلام سے بیان کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "شراب خوری اور موزوں پر مسح کرنے میں تقیہ نہیں ہے۔[1] ظاہر حدیث یہ ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی تقیہ جائز نہیں ہے۔

اور اسی مضمون کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابی عمر الاعجمی کے ذریعہ نقل ہو چکی ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا "ہر چیز میں تقیہ ہے مگر (نبیذ) اور موزوں پر مسح کرنے میں تقیہ نہیں ہے۔" یعنی تقیہ کی بنا پر نہ نبیذ استعمال کر سکتے ہیں اور نہ موزوں پر مسح کر سکتے ہیں۔ البتہ ان امور میں تقیہ کے جواز پر ہماری بات کی اس روایت سے تائید ہوتی ہے جس کو

---

۱۔ عن علی علیہ السلام فی حدیث الاربعمائۃ قال لیس فی شرب المسکر والمسح علی الخفین تقیۃ۔ ج ۱۸۔ باب ۳۸۔ ابواب الوضوء

شیخ نے اپنی تہذیب میں ابی الورد کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ابوظبیان نے مجھ سے کہا کہ "میں (ابوظبیان) نے علیؑ کو دیکھا کہ انھوں نے پانی بہادیا اور موزوں پر مسح کیا" تو امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ ابوظبیان نے جھوٹ بولا۔ کیا تم نے علیؑ کا یہ قول نہیں سنا کہ قرآن میں تمہارے لئے خفین کے بارے میں حکم بیان ہو چکا ہے۔ میں نے عرض کی کیا اس میں رخصت ہے۔؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر یہ کہ دشمن سے تقیہ کی بنا پر یا پاؤں کو برف سے بچانے کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔[1]

اس حدیث میں بھی اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ قرآن کی سورہ مائدہ میں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم صراحت کے ساتھ بیان ہو جانے کے بعد موزوں پر مسح کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

## ۴۔ ضرورت کے بغیر تقیہ جائز نہیں ہے۔

معصومین علیہم السلام کی اکثر روایات میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ بغیر ضرورت تقیہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کی ضرورت خوف ہے۔ اور ضرورت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خوف ختم ہو چکا ہے۔ اور تقیہ خوف کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جب خوف نہ ہو تو تقیہ کا موضوع ہی باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ اوّل بحث میں ہم عرض کر چکے ہیں... چنانچہ

---

۱۔ ج ۵۔ باب ۳۸۔ ابواب الوضوء۔

اس سلسلہ کی روایات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ کلینی نے "زرارہ" سے اور انھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے: آپ نے فرمایا: تقیہ ضرورت کے وقت ہوتا ہے جس کا علم صاحب ضرورت کو ہو جاتا ہے۔[۱]

۲۔ اصول کافی میں ہی امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا: کسی چیز میں انسان کی مجبوری کے وقت تقیہ کو خدا نے اس کے لئے حلال قرار دیا ہے۔[۲]

۳۔ محاسن میں امام پنجمؑ سے مروی ہے کہ۔ ہر ضرورت میں تقیہ ہے۔[۳]

## تذکر:

یہ تینوں روایتیں مختلف اور متعدد طریقوں سے نقل ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت اور اضطرار کے وقت تقیہ کے جواز کے سلسلہ میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ دلائل عقلیہ اور اور فطرت بشری کے تقاضوں کی موجودگی میں جواز تقیہ پر استدلال کے لئے ہمیں ان کی زیادہ ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی بعض مشکلات ایسی پیش آتی ہیں جن میں تقیہ کے جواز پر دلالت کے لئے ان روایات کی اشد ضرورت ہے۔

---

۱۔ ح ۱۔ باب ۲۵۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ ح ۲ " " " " " "

۳۔ ح ۸ " " " " " "

# اختیارِ کفر

## اور

## ایمان سے برائت میں تقیہ کا حکم

اگر جان کا خطرہ لاحق ہو تو دل میں ایمان کو محفوظ رکھتے ہوئے زبانی طور پر ایمان سے اظہارِ بیزاری اور کلمۂ کفر بکنے پر نص اور فتویٰ دونوں متفق ہیں۔ . . . . لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا ایسے موقع پر تقیہ سے دست بردار ہو کر بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر لینا بہتر ہے یا تقیہ کر کے خطرے کو ٹال دینا زیادہ بہتر ہے۔ پہلی نظر میں روایات اور فتوے دونوں اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ لیکن آگے چل کے جب ہم اس بحث میں غور و خوض سے کام لیں گے اس وقت یہ بات روشن ہو جائے گی کہ ان میں اختلاف نہیں بلکہ زمانہ، اشخاص اور ظروفِ تقیہ کے اعتبار سے فرق ہے۔

ہماری بحث کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ہم اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے

اس کی دلیلیں ذکر کریں گے اور اس کے بعد عرض کریں گے کہ ان میں سے کون بہتر ہے اور کون نہیں۔ اور یہ بھی دیکھیں گے کہ علماء اہلبیتؑ کا نظریہ کیا ہے۔ کہ جنھوں نے جان و دل سے دین کی حمایت اور نصرت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اور ہر لحہ دامن اطاعت سے متمسک رہے ہیں اور کبھی بھی کلمۂ کفر کو زبان تک نہیں لائے۔

بہر حال کثیر تعداد میں احادیث اظہار کلمۂ کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جن میں سے چند حدیثیں بطور نمونہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ تقیہ کے جواز پر دلالت کرنے والی آیات کے ذیل میں ایک روایت مذکور ہے جو پروردگار کے اس قول " الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔" کی تفسیر کرتی ہے۔ یہ آیت حضرت عمار کے بارے میں ہے۔ جس کو فریقین نے نقل کیا ہے۔ قصہ یوں ہے کہ حضرت عمار کو جب مجبور کیا گیا تو وہ کلمۂ کفر کا اظہار کر بیٹھے لیکن ان کے والدین نے شہادت کو گلے لگا لیا۔ عمارؓ سرکار رسالتؐ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔ اسی درمیان کچھ اصحاب نے کہا عمار کافر ہو گئے۔ لیکن رحمت دو عالم نے آگے بڑھ کر عمار کے آنسو پونچھے اور فرمایا اگر کفار پھر مجبور کریں تو پھر وہی کرنا جو کر چکے ہو اس لئے کہ آیت نازل ہو چکی ہے۔ " کہ جس کو مجبور کیا جائے اظہار کفر پر حالانکہ اس کا دل ایمان سے لبریز ہو" یہ روایت بالصراحت تقیہ اور اظہار کلمۂ کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ اس روایت کو بھی فریقین نے نقل کیا ہے اور آیات کے ذیل میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ مسیلمۂ کذاب نے پیغمبرؐ کے دو صحابیوں کو پکڑا اپنی نبوت کی شہادت دینے پر مجبور کیا ایک نے شہادت دے دی مگر دوسرے نے انکار کر دیا اور شہید ہو گیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے نے خدا کی دی ہوئی چھوٹ سے استفادہ کیا لیکن دوسرے نے حق کا اظہار ببانگ دہل کیا

اور شہادت اس کو "مبارک ہو" اگرچہ اس روایت میں نبی اکرمؐ سے اظہار بیزاری کا ذکر نہیں لیکن مسیلمہ کی رسالت کی گواہی کلمۂ کفر ہے۔ جب یہ جائز ہے تو وہ بھی جائز ہے۔

۳۔ ان دونوں روایتوں کے ہم معنیٰ ایک روایت کو اصول کافی میں کلینی نے عبداللہ ابن عطا کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ کوفہ کے دو اشخاص پکڑے گئے اور ان سے کہا گیا کہ امیرالمومنینؑ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ ان میں سے ایک نے قبول کر لیا اور دوسرے نے انکار کر دیا۔ چنانچہ پہلے کو چھوڑ دیا گیا اور جس نے انکار کیا اسے قتل کر دیا گیا ..... تو امیرالمومنینؑ نے فرمایا جس نے بیزاری کا اظہار کر دیا وہ فقیہ ہے۔ لیکن جس نے انکار کر دیا اس نے جنت حاصل کرنے میں جلدی کی۔[1]

اس روایت کی دلالت کے بارے میں ہم عرض کریں گے کہ اس کا رجحان فعل تقیہ کی جانب ہے۔ یا ترک تقیہ کی طرف۔

۴۔ کلینی مستعدۃ ابن صدقہ سے ناقل ہیں۔ ابن صدقہ نے بیان کیا کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی لوگ کہتے ہیں۔ امیرالمومنین علیؑ نے منبر کوفہ سے اپنے خطاب میں اعلان فرمایا "اے لوگو! عنقریب تم کو مجھ پر سب وشتم کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ تو اس وقت تم مجھ پر سب وشتم کر سکتے ہو۔ پھر تمہیں مجھ سے اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا مگر مجھ سے اظہار برائت نہ کرنا۔" ..... اس پر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "لوگ علیؑ کے بارے میں کس قدر جھوٹ بولتے ہیں۔" حالانکہ آنحضرتؐ نے یوں فرمایا تھا۔ "کہ تمہیں مجھ پر سب وشتم کرنے کے لئے کہا جائے گا تو کر دینا۔ پھر اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا تو یاد رکھو میں دین

---

۱۔ ج ۴۔ باب ۲۹۔ ابواب امر بالمعروف۔

محمدؐ پر ہوں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے اظہار برائت نہ کرنا۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو سائل نے عرض کی "کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ میں اظہار برائت کے بجائے قتل ہو جانا اختیار کروں۔؟" تو آپ نے فرمایا: "حضرت کی مراد یہ نہیں" اس سے مراد وہی طریقہ ہے جو عمار ابن یاسر نے اس وقت انتخاب کیا جب کفار مکہ نے ان کو مجبور کیا۔ جب کہ ان کا دل ایمان سے مطمئن تھا جس پر پروردگار نے یہ آیت نازل فرمائی "مگر وہ شخص جس کو مجبور کیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان سے مملو ہو۔" تو پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: اے عمار! اگر وہ لوگ دوبارہ مجبور کریں تو تم پھر وہی کرو۔ خدا نے تمہارے عذر سے مجھے آگاہ کر دیا ہے۔[1]

اگرچہ اس روایت سے بھی تقیہ کا وجوب ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ روایت میں صرف حرمت تقیہ کی نفی مقصود ہے۔ خاص طور سے علیؑ اور اولاد "آئمہ" علیہم السلام سے اظہار برائت کے سلسلہ میں کہ صرف جن کی ہتک حرمت بلکہ ان کو گالی دینا بھی لوگ جائز سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ حضرت کا یہ فرمانا کہ "واللہ ماذالک الیہ" "یعنی امیر المومنینؑ کی مراد یہ نہیں"۔ اور اس کے بعد قصۂ حضرت عمار بیان کرنا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ روایت وجوب تقیہ کو ثابت نہیں کرتی بلکہ حرمت تقیہ کی نفی کرتی ہے۔ اسی لئے حضرت عمار کے والدین کا فعل بھی جائز تھا۔ جیسا کہ ان کی داستان سے ظاہر ہے۔

۵۔ محمد ابن مسعود عیاشی اپنی تفسیر میں ابوبکر حضرمی کے حوالہ سے امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ۔ حضرت کی خدمت میں عرض کیا گیا "آپ کو دونوں میں سے کون

---

۱۔ ح ۲۔ باب ۲۹۔ ابواب امر بالمعروف۔

سی چیز پسند ہے۔ گردن کٹا دینا یا علی علیہ السلام سے اظہار برائت کرنا۔؟" آپ نے فرمایا مجھے رخصت پسند ہے۔ کیا تم نے عمار کے بارے میں پروردگار عالم کا قول نہیں سنا۔" الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان۔"

عنقریب ہم عرض کریں گے کہ رجحان رخصت پر اس روایت کی دلالت دوسری روایت سے ٹکراتی ہے۔ اور اس ٹکراؤ کے سمجھوتہ کا طریقہ بھی بتائیں گے۔[1]

۶۔ عبداللہ ابن غلبان کے حوالہ سے عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ناقل ہیں کہ عبداللہ نے امامؑ کی خدمت میں عرض کی۔ کوفہ میں ضحاک ظاہر ہو چکا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا۔ فرمائیے ہم کیا کریں۔؟ آپ نے فرمایا تم اس سے برائت کرو۔ میں نے عرض کی" دونوں میں سے آپ کو کیا پسند ہے۔؟" آپ نے فرمایا "مجھے یہ پسند ہے کہ تم عمار ابن یاسر کا طریقہ اختیار کرو۔ جب وہ مکہ میں پکڑے گئے اور ان سے کہا گیا کہ رسول اللہؐ سے بیزاری کا اظہار کرو۔ تو انھوں نے کر دیا۔ تو خداوند عالم نے آیت کے ذریعہ ان کے عذر کو بیان کیا۔" الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان۔"[2]

پہلی نظر میں اس روایت سے بھی وجوب ہی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن جو روایتیں برائت کے اظہار سے ممنوعیت پر دلالت کرتی ہیں ان کی وجہ سے وجوب خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ جب کہ یہاں بھی قصۂ عمار اور ان کے والدین کی شہادت کو شاہد بنانا اس امر پر دلالت کرتا

---

۱۔ ح ۱۲۔ باب ۲۹۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ ح ۱۳۔ " " " " " " " "

ہے کہ یہ روایت صرف تقیہ کی اجازت دیتی ہے اس کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔

۷۔ طبرسی نے "احتجاج" میں امیرالمومنینؑ کی کسی "یونانی" سے بحث نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں تم کو دین خدا میں تقیہ کے استعمال کا حکم دیتا ہوں۔ چوں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے۔ "مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں اور جو بھی ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی ربط نہیں۔ مگر یہ کہ تم ان سے کسی خوف کی بنا پر تقیہ کرو۔" اگر خوف لاحق ہو تو تمہیں اپنے دشمنوں کی برائی اور فضیلت کے بیان، ڈر کے موقع پر اظہار برائت اور جان پر مصیبتوں اور آفتوں کے خطرے کے وقت ترک صلاۃ کی اجازت دیتا ہوں۔ اس لئے کہ تمہارا ہمارے دشمنوں کی برائی بیان کرنا نہ ان کے لئے منفعت بخش ہے اور نہ ہمارے لئے مضر ہے۔ تم اگر تقیہ کے طور پر ہم سے اظہار برائت کرو گے تو اس سے ہماری قدح ہوگی اور نہ مرتبہ کم ہوگا۔ اگر تمہارا دل ہمارے ساتھ ہے اور اس میں ہماری محبت ہے تو زبان سے تھوڑی دیر ہم سے اظہار برائت کرنا تمہاری اس روح کی بقا ہے جس سے تمہارا نفس قائم ہے، اس مال کی حفاظت ہے جو تمہارا سہارا ہے اور اس عزت و مرتبہ کا ضامن ہے جس کے ساتھ تم متمسک ہو۔ اس کے ذریعہ تم اس شخص سے بچے رہو گے جو ہمارے دوستوں اور محبوں کو پہچانتا ہے۔ لہٰذا بے شک تقیہ تمہارے لئے اپنے کو ہلاک کرنے سے افضل ہے۔ اور سلسلہ عمل منقطع کرنے سے بہتر ہے۔ اور اسی میں تمہارے مومن بھائیوں کی بہتری ہے۔ ..... خبردار یاد رکھو میں نے جس تقیہ کا تمہیں حکم دیا ہے اسے ہرگز ترک نہ کرنا۔ اس لئے کہ اگر تم اسے ترک کر دو گے تو اپنا اور اپنے بھائیوں کا خون ضائع کرو گے، اپنی اور ان کی نعمتوں کو برباد کرو گے، دشمنان دین خدا کے ہاتھوں ان کو ذلیل کرو گے۔ جب کہ خدا نے تم کو ان کا احترام و اکرام کرنے کا حکم دیا ہے۔ ..... یاد رکھو! اگر تم نے میری وصیت کی مخالفت کی تو خود تمہارے لئے اور تمہارے مومن بھائیوں کے لئے تمہارا

تمہارا ضرر ہمیں سب وشتم کرنے والے "ناصبی" اور ہمارا انکار کرنے والے "کافر" سے زیادہ ہوگا۔[1]

شاید جس وقت حضرت نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اس وقت تک شام کے علاقے رومیوں اور مشرکوں کے قبضے میں ہی تھے۔ اس لئے کہ اختیاری حالت میں نماز چھوڑ کر تقیہ مسلمانوں کے درمیان نہیں بلکہ کفار کے درمیان ہی ہوسکتا ہے۔ ............ پھر امام کا یہ فرمانا "کہ خود کو بلاءت میں مبتلا کرنے سے تقیہ کرنا افضل ہے۔" اگرچہ بادی النظر میں اس سے تقیہ کی افضلیت ظاہر ہوتی ہے لیکن حدیث کے آخر میں آپ کا خبردار کرنا اور یہ فرمانا کہ تقیہ ترک کر کے تم اپنے بھائیوں کو جو نقصان پہنچاؤ گے وہ کفار اور ناصبیوں کی ضرر رسانی سے بدتر ہوگا۔ اس مقام پر وجوب تقیہ کی روشن دلیل ہے۔ یہاں پر اسم تفضیل کا صیغہ تعین کے لئے ہے جیسا کہ آیت " اولی الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ۔" اور روایت یوم شک۔" احب من ان یضرب عنقی۔ " میں وارد ہوا ہے۔..

...................

لہٰذا ادائے کلمۂ کفر اور اظہار برائت جیسے موارد میں تقیہ کے وجوب پر اس روایت کی دلالت مسلّم ہے۔ لیکن اس روایت کا "مرسل" ہونا غیر معتبر بنا دیتا ہے۔ اس لئے کہ طبرسیؒ نے سند کا ذکر کئے بغیر اسے امیر المومنین علیہ السّلام سے نقل کیا ہے۔ رہ گیا تفسیر امام عسکریؑ میں اس کا مروی ہونا تو وہ اسے حجت نہیں بناتا۔

البتہ یہ اور بات ہے کہ دلالت کے ساتھ اگر اس کی سند بھی کامل ہوتی جب بھی اس پر

---

۱۔ ج ۱۱۔ باب ۲۹۔ ابواب امر بالمعروف۔

عمل مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ متواتر روایتیں اس مورد میں ترک تقیہ کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے ہم آئندہ ذکر ہونے والی تفصیل پر حمل کریں یا بعض اوقات کے لئے مخصوص قرار دیں۔

## روایات تفصیل:

وہ روایات پیش خدمت ہیں کہ جن میں تفصیل وارد ہوئی ہے کہ سب وشتم میں تقیہ جائز ہے لیکن اظہار برائت میں جائز نہیں ہے۔

۱۔ امام جعفر صادقؑ کی اس روایت کو کہ جس کو "انھوں نے اپنے اجداد کے حوالے سے نقل کیا ہے۔" شیخ نے اپنی "مجالس" کی زینت بنایا ہے۔ فرماتے ہیں، امیرالمومنینؑ نے فرمایا: "عنقریب تم کو مجھے برا کہنے کے لئے کہا جائے گا (العیاذ باللہ) تو تم مجھے برا کہہ دینا اور تمہیں مجھ سے اظہار برائت کرنے پر مجبور کیا جائے گا تو تم اپنی گردن پیش کر دینا اس لئے کہ میں فطرت اسلام پر ہوں۔"[1]

(اس روایت میں مذکور تفصیل سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ "سب" میں تقیہ جائز ہے جب کہ برائت میں جائز نہیں۔)

۲۔ شیخ نے دعبل خزاعی کے برادر ابن علی کے حوالے سے امام رضاؑ کی ایک حدیث جس کو حضرت نے اپنے اجداد کے ذریعہ امیرالمومنینؑ سے بیان کی ہے علیؑ نے فرمایا: "عنقریب تم سے مجھے برا بھلا کہنے کا مطالبہ کیا جائے گا اگر جان کا خطرہ محسوس کرو تو کہہ دینا۔ لیکن اگر مجھ سے برائت

---

۱۔ ح ۸۔ باب ۲۹۔ ابواب امر بالمعروف۔

کرنے کے لئے کہا جائے تو ہرگز ایسا نہ کرنا۔ اس لئے کہ میں فطرت اسلام پر ہوں۔"[1]

یہ حدیث بھی گذشتہ حدیث کی مانند تفصیل پر دلالت کرنے کے علاوہ برائت کی حرمت میں ظہور رکھتی ہے۔

۳۔ سید رضی (قدس سرہ) نے نہج البلاغہ میں امیر المؤمنینؑ سے روایت نقل کی ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: لوگو! باخبر رہو! میرے بعد ایک ایسا شخص تم پر مسلط ہوگا جو بڑی توند اور کشادہ حلق والا ہوگا..... جو کچھ پائے گا سب چٹ کر جائے گا اور پھر مزید کا مطالبہ کرے گا۔ بس تم اسے قتل کر دینا۔ حالاں کہ تم ہرگز اسے قتل نہیں کرو گے۔ مگر وہ تم سے مجھے برا کہنے اور مجھ سے برائت کرنے کا مطالبہ کرے گا تم مجھے برا کہہ لینا اس لئے کہ وہ میرے لئے زکات ہے اور تمہارے لئے نجات لیکن مجھ سے برائت نہ کرنا اس لئے کہ میں مسلمان پیدا ہوا ہوں اور ایمان لانے اور ہجرت کرنے میں دوسروں پر میں نے سبقت کی ہے۔[2]

اگرچہ یہ روایت اپنے مضمون کے اعتبار سے مسعدۃ ابن صدقہ کی روایت سے ٹکراتی ہے لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ روایت دشمنی اور اندھیروں میں غرق غرور و تکبر کے اس دور سے متعلق ہے جس میں کلمۂ حق کا اظہار اور اس کے لئے اپنی جانوں کا فدیہ پیش کرنا آثار نبوت کی حفاظت کے لئے کم سے کم واجب کفائی تھا۔ اس لئے کہ تمام دشمن مل کر آثار وحی بلکہ آثار نبیؐ مٹانے پر حسب مقدور کمربستہ ہو گئے تھے۔ اسی لئے دوستوں کو کمتر درجے والے "سب" جیسے منکرات میں تقیہ کی اجازت دی گئی اور برائت جیسے شدید منکرات میں تقیہ سے روک

---

۱۔ ح ۹۔ باب ۲۹۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ ح ۱۰ " " " " " "

دیا گیا۔

خدانخواستہ اگر ہمیں بھی امیرالمؤمنینؑ کے دور جیسے وقت سے گذرنا پڑے جس میں آپ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے آپ کے آثار مٹا دینا چاہے تھے تو اس وقت دشمنوں کی گردنیں اڑا دینا اور کلمۂ حق کے اثبات اور باطل کے محو کر دینے کے لئے اپنی جانیں قربان کر دینا واجب ہو جائے گا۔

## دوسری بحث:

اس بحث میں یہ طے کرنا ہے کہ تقیہ کے اختیار اور ترک میں سے ترجیح کس کو دی جائے۔ گذشتہ روایت "حسن" جو ان دو اشخاص کے بارے میں تھی جن کو مسیلمہ کذاب نے گرفتار کر کے اظہار برائت پر مجبور کیا تھا۔ سے پتہ چلتا ہے کہ ترک تقیہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ تارک تقیہ نے حق کا اعلان کیا جس کو اس کے لئے مبارک قرار دیا گیا۔ جب کہ دوسرے نے صرف رخصت الٰہی سے استفادہ کیا اور بس ..... اسی طرح وہ تین روایتیں جو نفرت ظاہر کرنے سے منع کرتی ہیں اور راہ دین میں جان کی قربانی اور موت کو گلے لگانے کی ترغیب دیتی ہیں وہ ترک تقیہ کو بہتر قرار دیتی ہیں لیکن اس وقت جب بات سب وشتم سے آگے بڑھ جائے اور برائت کی نوبت آجائے۔ ظاہر ہے کلمۂ کفر بھی برائت ہی کے حکم میں ہے۔

ان روایات کے علاوہ ترک تقیہ کے بہتر ہونے پر جان نثاران اہلبیت اور چھ یا دس اصحاب علیؑ کا عمل جو شام کی ایک چراگاہ "مرج عذرا"[1] میں معاویہ کے حکم سے شہید کر دیئے

---

۱۔ شام کے قریب ایک وسیع و عریض چراگاہ ہے۔

گئے۔ ہمارے لئے بہترین سند ہے۔

حجر بن عدی اور مرج عذرا میں شہید ہونے والے وہ چھ یا دس اہلبیت کے جاں نثار جیسے میثم تمار، رشید الہجری، عبداللہ بن عفیف الازدی، عبداللہ بن یقطر اور سعید ابن جبیر کے علاوہ وہ اسلام کے فدائی جو مظلوم کربلا کے ساتھ شہید ہو گئے ان سب نے برائت پر شہادت کو ترجیح دے کر ہمارے لئے ایسے مواقع پر ترک تقیہ کی بہترین مثال قائم کی ہے.......
........ یہ وہ زندہ جاوید ہستیاں ہیں جن میں اکثر کی داستان شہادت کو موافق و مخالف دونوں نے اپنے نوشتوں کی زینت بنایا ہے........

چنانچہ ((ذہبی)) حجر کے بارے میں رقمطراز ہے کہ یہ زیاد ابن ابیہ کو منبر پر جھٹلایا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے اسے کنکری کا نشانہ بھی بنایا۔ اس پر زیاد نے یہ قصہ معاویہ کو لکھا اور حجر کو گرفتار کر کے معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ وہاں کچھ دین فروش گواہ بھی جمع ہو گئے جنھوں نے جناب حجر کے خلاف گواہی دی۔ جناب حجر کے ساتھ بیس افراد تھے۔ معاویہ نے سب کو قتل کر دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے انھیں "مرج عذرا" کی طرف بھیج دیا۔...... جب یہ حضرات عذرا پہنچے تو کہا جاتا ہے کہ معاویہ کا آدمی آیا اور اس نے پیش کش کی کہ توبہ کریں اور علیؑ سے اظہار برائت کریں۔ دس آدمیوں نے اس پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا جب کہ دس نے قبول کر لیا۔ چنانچہ وہ دس شہید کر دیئے گئے جنھوں نے معاویہ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔[1]

"اعلام الوریٰ" میں حکایت کی گئی ہے کہ ایک روز معاویہ عائشہ کے ہاں پہنچے تو عائشہ نے پوچھا کہ تم نے اہل عذرا یعنی حجر اور ان کے ساتھیوں کو کس بنا پر قتل کیا۔؟ معاویہ نے

---

۱۔ رجال مامقانی۔

عرض کی۔ "اے ام المؤمنین! میں نے ان کے قتل کر دینے میں امت کی بہتری اور ان کو زندہ رکھنے میں امت کا فساد دیکھا اس لئے میں نے انھیں قتل کر دیا۔"..... اس پر عائشہ نے کہا میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ "عنقریب میرے کچھ لوگ میرے بعد قتل کئے جائیں گے جن کیلئے خدا اور اہل آسمان غضبناک ہوں گے۔"

۵۱ھ یا ۵۳ھ میں ان کا قتل واقع ہوا ہے۔ "تاریخ ابن اثیر" اور کتاب ابی الفرج الکبیر میں یہ قصہ نقل ہے۔ مگر صرف حالات اور کیفیت قتل پر مشتمل ہے۔

بہرحال! یہ افراد یا ان جیسے بہت سے افراد علوم اہلبیت علیہم السلام کے ورثہ دار اور اپنی اپنی قوم میں اہلبیت علیہم السلام کے نمائندے اور ہر حال میں ان کے دوستدار تھے ایسے میں کیا یہ لوگ احکام شریعت سے آگاہ اور ناخوش گوار حوادث و واقعات میں اپنی شرعی ذمہ داریوں سے خبردار نہیں تھے۔؟ پس اگر ترک تقیہ ان کی نظر میں ناپسندیدہ ہوتا یا ترک اور فعل تقیہ دونوں مساوی ہوتے تو پھر وہ ترک کو فعل پر ترجیح کیوں دیتے۔؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان جیسے حالات میں ترک تقیہ ہی بہتر ہے۔..... اس کے علاوہ میثم تمار اور جناب عمرو بن الحمق الخزاعی وغیرہ کے حالات میں منقولہ بہت سی احادیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ان کو اپنی راہ میں قتل کر دیئے جانے کی خبر دی تھی۔ ان کی تعریف بھی کی تھی۔ اور ان میں سے بعض پر آپ روئے بھی تھے۔ ان سارے واقعات میں دوسروں کے لئے ترغیب و تشویق موجود ہے کہ تقیہ ترک کریں۔ اگر ترک تقیہ جائز نہ ہوتا تو امیر المومنینؑ کا یہ فعل درست نہ ہوتا.....

..... بلکہ ساری روایتوں میں ملتا ہے کہ تمام آئمہؑ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے ایسے موارد میں ترک تقیہ کو مستند قرار دیا ہے۔

معاویہ کے ایک خط کے جواب میں امام حسن علیہ السّلام نے معاویہ کو اس کی بداعمالیوں اور بے دینیوں کی واضح الفاظ میں خبر دیتے ہوئے عمر ابن الحمق، حجر ابن عدی اور ان کے اصحاب کے بارے میں لکھا ہے: اے معاویہ! کیا تم کندہ کے بھائی، حجر ابن عدی اور بہتیرے دوسرے ایسے نمازگذاروں اور عابدوں کے قاتل نہیں ہو جو ظلم کو ناپسند کرتے تھے، بدعتوں کو گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اور خدا کی راہ میں اہل سلامت کی ملامت سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ تم نے انھیں نہایت سفاکی اور بڑی بے دردی سے قتل کیا جب کہ تم نے ان کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان باندھا تھا؟ کیا تو نے صحابی رسولؐ حضرت عمر ابن الحمق کو امان دینے کے بعد قتل نہیں کیا کہ کثرت عبادت سے جن کا بدن لاغر ہو گیا تھا ..... اور ان کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ جب کہ تو نے ان کو امان دی تھی اور ان کے ساتھ ایسا مضبوط عہد و پیمان باندھا تھا کہ اگر وہ عہد کسی پرندے کے ساتھ بھی کیا جاتا اور تو اس کے بعد اس کو قتل کر دیتا تو تو استخفاف عہد اور پروردگار کے خلاف جرأت و جسارت کا مجرم قرار پاتا۔

بلکہ حجر اور ان کے اصحاب کے بارے میں عائشہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے بذات خود بھی ان پر افسوس کیا، ان کے لئے غضب کا اظہار کیا اور ان کی عظمت بیان فرمائی۔

یہ سارے مدارک اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کا عمل مستحسن تھا۔ رسولؐ اس سے خوش تھے اور اہلبیت علیہم السّلام اس سے راضی تھے۔ اگر ترک تقیہ مکروہ ہوتا تو رسولؐ اور اہلبیتؑ کبھی بھی خوش نہیں ہو سکتے تھے۔

لیکن اس کے باوجود آپ کو معلوم ہے کہ بہت ساری روایات ان موارد میں ایسی ہیں جو تقیہ کو اچھا سمجھتی ہیں۔ اور رخصت الٰہی سے استفادہ کرنے کو کہتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں یہ

تلاش کرنا ہے کہ ان روایات کے مضامین میں ہماہنگی کیسے پیدا کی جائے۔

## احادیث کے مضامین میں ہماہنگی کا طریقہ

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بہترین طریقہ وہ تفصیل ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا کہ حدیثیں مختلف زمانوں اور شخصیتوں کے بارے میں ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ایک امت کی رہبری کے عہدے پر فائز ہو۔ لوگ اس کی اقتدا کرتے ہوں اور وہ اہلبیت علیہم السلام سے قرب کے عنوان سے معروف ہو۔ اس کے لئے ایسے مواقع میں نقصان اٹھانا، مصیبتوں کو برداشت کرنا، یہاں تک کہ جام شہادت پی جانا نہ صرف یہ کہ بہتر ہے بلکہ کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے خصوصاً اس وقت جب کہ ان حوادث سے گریز کے نتیجہ میں حق کے فاسد ہو جانے، ارکان اسلام کے متزلزل ہو جانے اور آخر کار دین کے متضرر ہو جانے کا اندیشہ ہو۔" یعنی ایسے موقع پر ایسے شخص کے لئے ترک تقیہ واجب ہے۔" .....

..... اسی طرح زمانوں کے اعتبار سے اگر بنی امیہ جیسا دور ہو۔ خصوصاً وہ تاریک دور جو شہادت امیر المومنین علیہ السلام کے بعد تھا جس میں اسلام کی سرنوشت معاویہ کے ہاتھوں میں تھی۔ یا اس جیسے دوسرے ادوار جن میں مشرکوں اور اور جاہلیت کے باقی ماندہ گروہوں اور قرآن میں مذکورہ شجرۂ خبیثہ کے مصادیق نے نور خدا کو پھونکوں سے بجھا دینے اور بنی اکرمؐ کے حقیقی اوصیاء کی فضیلتوں پر پردہ ڈالنے کی ناپاک کوششیں اس لئے شروع کر دی

تھیں تاکہ لوگ خائب و خاسر ہو کر پچھلے پاؤں پلٹ جائیں۔ اس قسم کے اعصار میں واجب ہے کہ کچھ مردان حق حق کا علم بلند کریں، تقیہ چھوڑ دیں، خدا کی روشن آیات کا اظہار کریں اور دشمنان دین کی سیاہ پیشانیوں کو داغدار بناتے ہوئے ظلم و طغیان کا رخ موڑ دیں۔

اگر یہ لوگ اپنی جان و مال کی پرواہ کئے بغیر راہ خدا میں جہاد نہ کرتے تو اسلام، قرآن اور صاحب قرآن کا صرف اسم و ذکر بطور رسم باقی رہ جاتا۔ انصار و مہاجرین اور راہ ہدایت میں ان کا اتباع کرنے والے اپنی جانوں کی قربانیاں دے کر گذشتہ اور آئندہ نسل کے درمیان ایک واسطۂ خیر بن گئے۔ اگر حجر ابن عدی، میثم، عمرو ابن الحمق، عبداللہ ابن عفیف، عبداللہ ابن یقطر اور سعید ابن جبیر جیسے عاشقان دین الٰہی کا جہاد نہ ہوتا تو آثار نبوت اور آثار ائمہ علیہم السلام محو کر دیئے جاتے۔ اس لئے کہ اسلامی حکومت کی فضاؤں پر باطل کا غلبہ تھا جس نے اپنے نت نئے مظالم کے ذریعہ لوگوں کو دبا دیا تھا۔ دعوت اسلامی کے تمام مراکز ان کی نگرانی میں تھے اور لوگ تو بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

ہمارے اس نظریہ کی تائید شیخ انصاری کی عبارت سے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ "تقیہ وہاں مکروہ ہے جہاں نقصان کا تحمل تقیہ سے بہتر ہو جیسا بعض (فقہاء و علماء) نے اظہار کلمۂ کفر کے بارے میں فرمایا ہے۔ لوگ جس کی اقتدا کرتے ہوں اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ کلمۂ اسلام کی سربلندی کی خاطر تقیہ ترک کر دے۔"

یہ حکم عصر بنی امیہ یا بنی عباس سے مختص نہیں بلکہ ہر وہ زمانہ جس میں ایسے حالات درپیش ہوں اس میں بغیر کسی فرق کے یہی حکم ہے۔ .....

لیکن اگر زمانہ صادقین اور امام رضا علیہ السلام کے زمانہ سے مشابہ ہو جس میں مسئلہ اتنا سنگین نہیں تھا تو اس میں تقیہ کرنا بہتر ہے۔ جیسا کہ اس باب کی احادیث سے ظاہر

ہوتا ہے۔ لیکن استثنا پھر بھی محفوظ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ترک تقیہ اور فعل تقیہ کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ امیر المومنینؑ کے فوراً بعد والے زمانہ میں ترک تقیہ بہتر ہے جب کہ صادقین اور امام رضاؑ کے زمانہ میں فعل تقیہ مستحسن ہے۔ اس لئے کہ دوسرے دور میں اسلام کو اتنا خطرہ نہیں تھا جتنا پہلے دور میں تھا۔ لیکن دوسرے دور میں بھی یہ حکم ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ جو لوگ امت کی رہبری کے عہدہ دار ہوں ان کیلئے ترک تقیہ ہی بہتر ہے۔ ..... رہ گیا مسئلہ ہمارے دور کا تو اس میں بھی حکم مختلف ہے۔ جیسے حالات ہوں ویسا ہی حکم ہوگا۔ حالات و حوادث کی ناگواریوں کے تحت کبھی ہمیں اصحاب امیر المؤمنینؑ کی سنت اپنانا پڑے گی تو کبھی اصحاب صادقینؑ کی پیروی کرنا پڑے گی۔

# تقیۃ

## پڑھی گئی نماز کا حکم

بے شک خوف کی بنا پر مخالف عقیدہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ لیکن آیا حسن معاشرت کے تقاضوں کے تحت اور اتحاد و دوستی برقرار کرنے کے لئے بغیر خوف پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔؟ (یہ مسئلہ قابل بحث ہے۔)

ہمارے زمانہ میں اور خاص طور سے حج کے موسم میں ان لوگوں کی جماعت میں عدم شرکت جان و مال یا عزت و ناموس کے لئے باعث ضرر نہیں ہے۔ تاہم اخوت اسلامی اور حسن معاشرت کا ثبوت دینے کے لئے ان کے ساتھ نماز پڑھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ اور اکثر روایات بھی اس کی شاہد ہیں۔ بلکہ شاید اس مضمون کی روایات متواتر ہوں۔ ......

...... لیکن ..........

سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا جماعت کی نیت سے نماز پڑھے یا فرادیٰ کی نیت سے نماز میں ظاہری طور پر شریک ہو جائے۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو اپنی نماز پڑھتا رہے اور افعال

میں ان کا ساتھ دیتا رہے۔؟

اگر یہ کہا جائے کہ جماعت کی نیت سے پڑھے تو آیا وہ نماز کافی ہوگی یا اس کو اس نماز سے پہلے یا بعد میں اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھنا ہوگی۔؟

اگر ہم یہ کہیں کہ اس کو جماعت میں شریک ہو کر اپنی نماز پڑھنا چاہیئے تو اس صورت میں جماعت کی ظاہری شکل کو برقرار رکھنے کے لئے اجزاء و شرائط نماز میں جو کمی واقع ہوگی اس کمی کے باوجود آیا اس کی وہی نماز کافی ہوگی یا نہیں۔؟

ان سوالوں کے جواب دینے سے پہلے اس مسئلہ کے حل میں بیان ہونے والی روایات کی جانچ پڑتال ضروری ہے تاکہ ان کی روشنی میں صحیح نتیجہ اخذ کیا جا سکے.....

.....روایات درج ذیل ہیں۔

۱۔ صدوق نے من لایحضرہ الفقیہ میں زید الشحام کے حوالہ سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے "حضرت نے زید کو مخاطب قرار دیتے ہوئے فرمایا۔" اے زید! لوگوں کے ساتھ ان ہی جیسا اخلاقی برتاؤ کرو۔ ان کی مسجدوں میں نماز پڑھو۔ ان کے مریضوں کی عیادت کرو۔ جنازوں میں شرکت کرو۔ اگر ممکن ہو تو ان کی امامت اور اذان گوئی کے فرائض انجام دو۔ اس لئے کہ جب تم ایسا کرو گے تو وہ کہیں گے یہ ہیں جعفری۔ خدا جعفر صادقؑ پر رحم کرے۔ وہ اپنے دوستوں کی کتنی اچھی تربیت کیا کرتے تھے۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو وہ کہیں گے جعفری ایسے ہی ہوتے ہیں۔ برا ہو "معاذاللہ" جعفر صادقؑ کا جنھوں نے اپنے اصحاب کی صحیح تربیت نہیں کی۔[1]

---

۱۔ وسائل۔ ج ۵۔ باب ۷۵۔ ابواب جماعت۔

امام جعفر صادقؑ نے جوان کی مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے بلاشبہ اس سے مراد جماعت سے نماز پڑھنا ہے اور اطلاق مقالی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نماز کافی ہے..... لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ روایت اس جہت سے مقام بیان میں نہ ہو۔

۱۔ شیخ نے تہذیب میں اسحاق ابن عمار سے نقل کیا ہے۔ اسحاق کہتے ہیں۔ مجھ سے حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ اے اسحاق کیا تم ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتے ہو۔؟ میں نے عرض کی "ہاں" حضرتؑ نے فرمایا۔ "ان کے ساتھ نماز پڑھا کرو" اس لئے کہ پہلی صف میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے والا ویسا ہی ہے جیسے کوئی شخص راہ خدا میں جہاد کرنے کیلئے شمشیر برہنہ کر کے نکلے۔[1]

تقریباً ایک جیسے مضمون کی حامل ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جماعت کی نیت کر کے نماز پڑھنا رجحان رکھتا ہے۔ اور وہ نماز کفایت کرے گی۔ اور اسکو دوبارہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ مگر یہ کہ الگ سے کسی دلیل سے دوبارہ پڑھنا ثابت ہو جائے۔

حاصل کلام یہ کہ اگر ہم ان روایات کی روشنی میں فیصلہ کریں تو ان کے ساتھ جماعت کی نیت کر کے نماز پڑھنے کا حکم دینے میں ہم حق بجانب ہوں گے اور یہ کہ وہ نماز کافی ہوگی چاہے ہمارے مذہب کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اس کو رسولؐ اللہ کی اقتداء سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی شوکت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور دشمنان

---

۱۔ ح ۱۔ باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ۔

اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے کو اللہ کی راہ میں تلوار کھینچنے والے سے تشبیہ دی گئی ہے ..... لیکن ان باتوں کے باوجود یہ روایات شیعہ علماء کے مسلک کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم صاحب حدائق کا نظریہ نقل کریں گے "اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایتیں واجب العمل نہیں ہیں۔"

۲۔ محاسن میں عبداللہ ابن سنان سے مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا۔ اے لوگو! میں تمہیں تقویٰ الٰہی اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ تم لوگوں کو اپنے کندھوں پر سوار نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم لڑکھڑا جاؤ۔ بے شک خدائے سبحان اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے۔ "لوگوں سے اچھی باتیں کرو۔" اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا۔ "ان کے مریضوں کی عیادت اور ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔ ان کے حق میں یا ان کے خلاف جیسا موقع ہو گواہی دو اور ان کے ساتھ مسجدوں میں نماز پڑھو۔[1]"

۳۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اپنے نوادر میں سماعۃ سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ساتھ رشتۂ ازدواج قائم کرنے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے دریافت کیا تو امامؑ نے فرمایا۔ "یہ بہت مشکل کام ہے جو تم سے ممکن نہیں ہوگا۔ البتہ رسول اللہؐ نے ان کے ساتھ رشتہ کیا اور علیؑ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔[2]"

یہ تین روایتیں بھی اتحاد کو برقرار رکھنے کی خاطر ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ ..... البتہ ممکن ہے کہ روایت علی ابن جعفر ایسے موقع سے مربوط

---

۱۔ ح ۸۔ باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ۔

۲۔ ح ۸۔ باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

ہو جب انسان کو جان و مال کا خطرہ درپیش ہو۔ جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ "ان کی اقتدا میں نماز پڑھے اور وہ نماز کافی ہوگی۔" اس کے علاوہ نماز کو نکاح کے ساتھ ذکر کرنا اس امر کا گواہ ہے کہ اس سے مراد نماز واجب کا بجالانا اور اسی کو کافی سمجھنا ہے۔

اسی طرح امامؑ کا یہ فرمانا کہ یہ مشکل کام ہے جو تم سے ممکن نہیں ہوگا اسی چیز کی طرف اشارہ ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھے۔ اس لئے کہ اگر اس سے مراد فرادیٰ نماز ہوتی اور پہلے یا بعد میں اس نماز کا پڑھنا ضروری ہوتا تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بلکہ ہر آدمی ایسا کر سکتا ہے کہ ظاہری طور پر ان کے ساتھ شریک ہو جائے۔ لیکن اپنی نماز الگ جا کر پڑھ لے۔

۴۔ صدوق نے بطور مرسل (راوی کا ذکر کئے بغیر) نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ اگر تم ان کے ساتھ نماز پڑھو تو تمہارے مخالفوں کی تعداد کے برابر تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔[1]

یہ روایت بھی دوسری روایات کے مانند اصل جواز پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس میں اس نماز کے کافی ہونے یا نہ ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ ..... (یہ روایتیں بطور نمونہ ہم نے ذکر کی ہیں۔ تلاش کرنے والے کو بہت سی روایتیں اور بھی مل سکتی ہیں)

ان روایات کے بالکل برعکس وسائل کے چھٹے باب میں ابواب جماعت کے تحت کچھ روایات مذکور ہیں جن سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مخالف عقیدہ کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی نہیں ہے بلکہ یا تو پہلے اپنی نماز پڑھ لے یا بعد میں اس کا اعادہ کرے۔ بنابرایں جو نماز ان کے ساتھ پڑھے گا وہ مستحب ہوگی اور جو پہلے یا بعد میں پڑھے گا وہ اس کی واجب نماز

---

۱۔ ح ۲۔ باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

ہوگی۔ البتہ اگر تقیہ مستحب ہو تو نماز بھی مستحب ہوگی۔ لیکن اگر تقیہ خوف کی بنا پر واجب ہو تو نماز بھی واجب ہوگی۔ چنانچہ اس مضمون کی بعض روایات درج ذیل ہیں۔

۱۔ صدوق نے "فقیہ" میں عمر ابن یزید کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے حضرتؑ نے فرمایا تم میں سے ہر وہ شخص جو گھر میں اپنی واجب نماز پڑھنے کے بعد تقیہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ نماز میں شرکت کرے اور با وضو بھی ہو تو خدا اس کے لیے پچیس [۲۵] درجے مخصوص فرمائے گا۔ لہٰذا تم اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو [۱]۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کی اقتداء جائز ہوتی تو فرادیٰ نماز پڑھنے کی ترغیب دینا بے کار ہوتا۔ یہ ترغیب گواہ ہے کہ ان کے ساتھ پڑھی گئی نماز کافی نہیں ہے۔ ......... مگر خدا نخواستہ اگر کوئی یہ کہے کہ اس قسم کا احتجاج مستحب ہے۔ اس کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ان کی اقتدا کے جواز سے منافات نہیں رکھتا۔ چاہے تقیہ تحبیبی ہی کیوں نہ ہو۔ ..... ..... ........ لیکن یہ کہنا آسان ہے۔ اس کا باور کرنا بہت مشکل ہے۔

۲۔ حضرت صدوقؒ نے عبد اللہ ابن سنان کے واسطے سے امام جعفر صادقؑ سے بیان کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص وقت میں نماز سے فارغ ہو کر دوبارہ بحالت وضو ان کے ساتھ نماز پڑھے تو خداوند عالم پچیس [۲۵] درجہ اس کے لئے لکھ دیتا ہے [۲]۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا۔ میرے دروازے کے سامنے

---

۱۔ ح ۱۔ باب ۶۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

۲۔ ح۔ ۲ ‹‹ ‹‹ ‹‹ ‹‹ ‹‹ ‹‹ ‹‹ ‹‹ ‹‹

مسجد ہے جس میں ہمارے دشمن اور مخالف ہوا کرتے ہیں اور وہ شام تک اس میں نمازیں پڑھتے ہیں میں عصر کی نماز پڑھ کر نکلتا ہوں اور پھر ان کے ساتھ جاکر نماز پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے لئے چوبیس[۲۴] نمازوں کا ثواب لکھا جائے[۱]

۴۔ شیخ نے ابوالحسن اول سے نشیط ابن صالح کے حوالے سے روایت کی ہے۔ نشیط کہتے ہیں میں نے امام کی خدمت میں عرض کیا۔ ہم میں سے ایک شخص اپنے گھر کے دروازے مقفل کر کے اپنے گھر میں بند ہو کے نماز پڑھتا ہے۔ اور پھر گھر سے نکل کر اسی نماز کو اپنے ہمسایوں کے ساتھ جماعت سے پڑھتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ امامؑ نے فرمایا۔ ایسے شخص کو پروردگار عالم جماعت کا دوگنا ثواب دے گا اور اس کے لئے پچاس[۵۰] درجے ہوں گے۔ اور وہ نماز جو وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر پڑھتا ہے۔ اس کے لئے پیغمبر کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے کا ثواب لکھا جائے گا۔ وہ ان کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا ہے اور جب وہاں سے جاتا ہے تو اپنے گناہ ان کے لئے چھوڑ کر اور ان کی نیکیاں لے کر جاتا ہے[۲]۔

اس روایت میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنے جواب میں سائل کے فعل کو مستند قرار دے کر اس کے لئے ہر نماز پر دوہرا اجر بیان فرمایا ہے۔ اب اگر مخالف اور دشمن کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی ہوتی تو گھر میں پڑھی گئی نماز کا دوگنا اجر نہ ہوتا۔ خاص طور سے ایسے موقع پر جب وہ شخص اس قدر مجبور ہو کہ گھر کے دروازے بند کر کے تنہا نماز پڑھے۔ ظاہر ہے ایسے موقع پر تقیہ جائز ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر

---

۱۔ ح ۲۔ باب ۶۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

۲۔ ح ۶ " " " " " " " "

کوئی شخص اپنی نماز جداگانہ ادا کرے تو وہ دوہرے اجر کا مستحق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخالف عقیدہ کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی نہیں ہے۔ (مترجم)

ممکن ہے اس حدیث سے مراد یہ ہو کہ دونوں نمازوں کو کافی سمجھنا جائز ہے گھر میں پڑھی گئی نماز کا اجر جماعت کے دوبرابر ہے۔ اور جماعت سے پڑھی گئی نماز کا اجر رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے برابر ہے۔

خلاصہ اس مطلب کی اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ ان کے علاوہ وہ روایات بھی ہیں کہ جو مخالف عقیدہ کی اقتداء میں پڑھی گئی نماز کو ناکافی قرار دیتی ہیں۔ اگر ہم ان روایتوں اور پہلے طائفہ کی روایتوں میں جو مخالف عقیدہ کی اقتداء کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ سمجھوتہ کرانا چاہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ اگر تقیہ خوف کی بنا پر نہ ہو اور نماز گذار ان کی جماعت سے پہلے یا اس میں شرکت کے بعد اپنی نماز فرادی پڑھنے پر قادر ہو تو ضرور پڑھے۔

مختصر یہ کہ اگر تقیہ تجمیلی (حفظ وحدت کے لئے) ہو اس صورت میں ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا کافی سمجھنا مشکل ہے۔ اگرچہ طائفہ اول والی روایات یہی کہتی ہیں کہ وہ نماز کافی ہے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ پر لیکن اس کوئی شک نہیں کہ طائفہ اولیٰ والی روایات کی روشنی میں ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہونا جائز ہے اور جو روایات یہ کہتی ہیں کہ ان کی اقتداء نہیں ہے بلکہ صرف ان کے ساتھ شریک ہو تاکہ ان کو دکھا سکے کہ ان کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ پہلے طائفہ سے منافات نہیں رکھتیں۔ ..... البتہ یہ سب تدبیریں وہاں کام میں لائی جائیں جہاں تقیہ حفظ اتحاد کے لئے ہو۔ لیکن اگر تقیہ خوف کی بنا پر ہو تو ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی ہے۔ اس کیلئے یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا اس

کفایت کے لئے تنہائی میں کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کا امکان ہونا شرط ہے یا نہیں
تفصیل اس مسئلہ کی تنبیہات میں آئے گی۔

# تقیہ

## سے ملحق ضروری مسائل

### پہلا مسئلہ:

### کیا تقیہ مخالف مذہب کیساتھ مخصوص ہے

جب ہم روایات کو دیکھتے ہیں تو اکثر روایتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تقیہ مخالفوں سے مخصوص ہے۔ ان روایتوں سے انسان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ حکم تقیہ صرف مذہب کے مخالفوں کے ساتھ مختص ہے۔ بنابرایں اپنوں کے سامنے یا کفار و مشرکین کے سامنے تقیہ نہیں کیا جاسکتا۔ ..... درج ذیل عبارت میں شیخ انصاریؒ اپنے رسالہ تقیہ میں فرماتے ہیں۔

تقیہ کے لئے شرط یہ ہے کہ غیر مذہب والوں سے ہو۔ جیسا کہ تقیہ کی اجازت دینے والی دلیلوں سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ حکم مذکور کافروں اور شیعہ ظالموں کے بارے میں ہی جاری نہیں ہوگا۔ لیکن آیندہ ذکر ہونے والی مسعدۃ ابن صدقہ کی روایت اور تقیہ کے ذیل میں وارد ہونے والی روایتوں کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ کا حکم عام ہے یعنی غیر مذہب والے اور کفار و شیعہ ظالموں سب کو شامل ہے۔

مسعدۃ ابن صدقہ کی روایت میں مورد تقیہ کی جانب یوں اشارہ کیا گیا ہے "ایک ایسی ظالم قوم جس کا حکم و عمل حق کے حکم و عمل کے برخلاف ہو۔ اس قوم کے سامنے تقیہ پر مبنی مؤمن کا ہر عمل جو دین میں فساد کا باعث نہ بنے جائز ہے۔"

مجھے اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ تقیہ کے معنیٰ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں کوئی شک نہیں کہ اصطلاح ادلہ اور لغت کی روشنی میں حکم تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں ہے۔ اس لئے کہ تقیہ کا مطلب ایسے عقیدہ یا دینی عمل کو پوشیدہ رکھنا ہے جس کے اظہار میں نقصان ہو اور اس کا معیار و ملاک قاعدۂ اہم و مہم اور کم مفسدہ کو مفسدہ پر ترجیح دینا ہے۔ یہ ایک ایسا عقلی قاعدہ ہے جس کی ہر مذہب و مشرب والے عقلاً گواہی دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کچھ خاص مجبوریوں کے تحت زبان سے انکار بھی کرتا ہے۔ تاہم دل و جان سے وہ اس قاعدہ پر ایمان بھی رکھتا ہے اور وقت پڑنے پر اس کو کام میں بھی لاتا ہے۔

یہ چیز واضح ہے کہ تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کو کافروں، مشرکوں اور شیعہ ظالموں کے سامنے بھی کام میں لایا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ موارد زیادہ ہیں کہ جہاں کمزور و ناتواں افراد بعض شیعہ ظالموں کے سامنے تقیہ کو سپر بناتے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کا تقیہ عبادات میں نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے امور میں ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ وہ روایات اور قرآن کریم کی وہ آیات جو کافروں اور مشرکوں سے تقیہ پر دلالت کرتی ہیں وہ بھی اس امر کی گواہ ہیں کہ تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کے انکی قوم سے تقیہ کرنے پر دلالت کرنے والی آیات، مؤمن آل فرعون کے تقیہ والی آیتیں، عمار یاسر اور دوسرے مسلمانوں کے مشرکین مکہ سے تقیہ کے بارے میں آیتیں اور وہ روایت جو مسیلمۂ کذاب کے چنگل میں گرفتار دو اشخاص کی مجبوری میں وارد ہوئی ہے جن میں سے ایک نے تقیہ سے کام لیا اور دوسرے نے اظہار حق کو ترجیح دی اور نبی اکرمؐ نے دونوں کے عمل کو سراہا اور دونوں کو تابع مصلحت قرار دیا۔

بلکہ قرآن مجید میں لفظ تقیہ یا اتقاۃ صرف ایک جگہ استعمال ہوا ہے اور وہ بھی مشرکوں کے مقابلہ میں جس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حکم عام ہے۔ لہذا اس کے لئے ہمیں روایات کے اطلاق و عموم یا روایت مسعدۃ ابن صدقہ سے استدلال کرنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی اور بغیر کسی شک کے حکم تقیہ کا عموم ثابت ہو جاتا ہے اور یہ کہ اس دور میں اہل سنت کے مقابلہ میں کفار و مشرکین سے زیادہ تقیہ کرنا پڑتا ہے۔

اس بحث سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تقیہ کے لئے ضروری نہیں کہ مورد تقیہ اہل سنت کے مذہب کا جزیا اس میں شامل ہو۔ مثال کے طور پر ترک حج تمتع ان کے تمام فرقوں کا مذہب نہیں ہے۔ اسی طرح نماز میں ہاتھ باندھنا بھی ان کے کچھ فرقوں کا طریقہ ہے۔ جبکہ ان کے بعض علماء ہاتھ کھلے رکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود تقیہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے تاکہ عوامی الزامات سے بچا جا سکے۔ بلکہ کبھی کبھی تو ان کی بعض عادتوں کی وجہ سے کہ جن کو وہ مذہب میں داخل سمجھتے ہیں اور ان کی رعایت ترک واجب یا تبدیلی واجب یا فعل حرام کے بغیر ممکن نہیں ہوتی انسان تقیہ پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک

نہیں کہ مجبوری کے وقت تقیہ کرنا جائز ہے۔

## دوسرا مسئلہ:

## "تقیہ موضوعات میں"

موزوں پر مسح کرنے، نماز میں ہاتھ باندھنے، کھانے پینے یا پہننے والی اشیاء پر سجدہ وغیرہ جیسے بے شمار احکام میں بلاشبہ تقیہ جائز ہے۔ اور اس سلسلہ میں بحث ہو چکی ہے۔

اس مسئلہ میں موضوع بحث یہ ہے کہ آیا موضوعات میں بھی تقیہ ہو سکتا ہے۔ یا نہیں۔؟ مثال کے طور پر عید کے چاند یا حج کے لئے ذی الحجہ کے چاند کی رویت کے بارے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان کی حکومت چاند کا اعلان کر دیتی ہے جس کی بنا پر وہ لوگ افطار کر لیتے ہیں یا حج بجالاتے ہیں۔ اگر شیعہ حضرات اس حکم میں ان کا ساتھ دیں تو ان کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے میں آیا ان کی متابعت درست ہے چاہے شیعوں کے نزدیک چاند ثابت نہ بھی ہو یا ان کو معلوم ہو کہ چاند نہیں ہوا ہے۔؟ اور آیا ادلہ تقیہ اس مورد کو شامل ہیں یا نہیں۔؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ۔ شرعی احکام کے موضوعات دو طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ کچھ موضوعات شرعی نوعیت کے ہیں جن کو بیان کرنا شارع کی ذمہ داری ہے مثال کے طور پر نماز کے اوقات وغیرہ۔

۲۔ بعض موضوعات محض خارجی ہوتے ہیں جن کو بیان کرنا شارع کی ذمہ داری نہیں ہے۔ جیسے رویت ہلال وغیرہ۔

پہلی قسم یعنی شرعی نوعیت کے موضوعات میں تقیہ کی دلیلیں بغیر کسی شک وشبہ کے جاری ہیں۔ اس لئے کہ اس کی بازگشت بھی اختلاف حکمی کی طرف ہے جس میں بحث ہو چکی ہے ..... فی الحال ہماری بحث دوسری قسم میں ہے۔ جس کی چند صورتیں ہیں

ایک صورت یہ ہے کہ ہمیں ان کی خطاء کا علم ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری نظر میں ان کے حکم کی صحت مشکوک ہو۔ شک کے اسباب کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ کبھی تو شک ان خارجی وسیلوں کی وجہ سے ہوتا ہے جن کو وہ اثبات موضوع کے لئے کام میں لاتے ہیں اور کبھی ان کے نزدیک معتبر اور ہمارے نزدیک غیر معتبر اور باطل شرعی طریقے اس بات کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ گواہوں کے بارے میں تحقیق کئے بغیر ان پر اعتماد کر کے موضوع کو ثابت سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک تحقیق واجب نہیں ہے جب کہ ہمارے نزدیک ہر شخص کی گواہی قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ اس کی بازگشت بھی اختلاف حکمی کی طرف ہے۔

بحث کے لئے جو چیز باقی رہ جاتی ہے وہ خالص خارجی موضوعات ہیں جن کا شارع سے کوئی تعلق نہیں۔ ان میں چاہے ہمیں ان کے غلطی پر ہونے کا علم ہو یا ہمیں شک ہو اور وہ موضوع ہمارے نزدیک ثابت نہ ہو۔ ..... اس میں بھی بحث کے دو محور ہیں۔ ایک محور حکم تکلیفی اور دوسرا حکم وضعی ہے۔

جب تقیہ کی شرائط جمع ہوں تو حکم تکلیفی کے اعتبار سے اہل سنت جیسا عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ بعض ائمہؑ نے بھی ضرورت کے وقت اس قسم کے تقیہ پر

عمل کیا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے رمضان کے آخری دن میں منصور دوانیقی کے خوف سے افطار کیا جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے اور ہم عنقریب اس کی طرف اشارہ کریں گے۔ لہذا ضرورت کے وقت جواز تقیہ پر دلالت کرنے والی تمام دلیلیں اس مورد میں عقل کی ہمراہی میں دلالت کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حکم تکلیفی کے اعتبار سے مسئلہ روشن ہے۔

بحث صرف حکم وضعی کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ایسی حالت میں انجام دیا گیا عمل کیا مجزی اور صحیح ہے یا نہیں۔؟ اور آیا عمل تقیہ کی کفایت پر دلالت کرنے والی گذشتہ روایتیں اس مورد کو بھی شامل ہیں یا نہیں۔؟ مثال کے طور پر روایت ابو عمر الاعجمی میں ہے کہ نبید پینے اور موزوں پر مسح کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ ہے۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کی مطابقت میں عبادت صحیح ہے۔ چند موارد اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ روایت زرارۃ میں بھی امامؑ کے قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "تین چیزیں ایسی ہیں جن میں تقیہ نہیں کرتا۔ نشہ آور چیز کے استعمال، موزوں پر مسح اور حج تمتع میں۔" روایات الواب وضو اور اقسام حج میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

البتہ امام کی وہ حدیث جو منصور دوانیقی سے متعلق ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے۔ اگر میں ایک دن افطار کر کے اس کی قضا بجالاؤں تو یہ مجھے اپنی گردن مارے جانے سے زیادہ پسند ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عمل کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی قضا واجب ہے۔ لیکن آخر بحث میں ہم اس کی وجہ بیان کریں گے۔ جس سے شک دور ہو جائے گا

بہر حال انصاف کی بات تو یہ ہے کہ روایات تقیہ کی عمومیت کے پیش نظر یا کم سے کم

موجودہ روایات میں موارد احکام کی خصوصیت کو نظر انداز کرتے ہوئے تنقیح مناط کے اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان موضوعات میں بھی تقیہ پر عمل صحیح اور رافع تکلیف ہے۔ خاص طور سے حج اور چاند کی رویت کے مسئلہ پر تو ہر زمانہ میں تقیہ پر عمل ہوتا رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔ چنانچہ صاحب جواہر کتاب حج میں فرماتے ہیں۔ "یہاں ایک ایسا ضروری مسئلہ رہ جاتا ہے کہ جس کا ذکر تمام مسائل سے زیادہ بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اہلسنت کے قاضی کے لئے دو گواہوں کے ذریعہ چاند ثابت ہو جائے جب کہ ہمارے نزدیک وہ (یوم الترویہ) ہو اور ان کے نزدیک (عرفہ) تو ایسی صورت میں کیا شیعہ حضرات ان کے ساتھ یقیناً وقوف کر سکتے ہیں۔؟ یا ان کے لئے وقوف کافی نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس موضوع میں تقیہ ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ رمضان کے آخری دن اگر وہ عید منانے کا حکم دیں تو اس روزے کی قضا رکھنا واجب ہے۔ جس پر بعض روایتیں صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ " ایک روزہ چھوڑ کر اس کی قضا رکھنا مجھے اپنے قتل کر دیئے جانے سے زیادہ پسند ہے۔" میں نے علماء میں سے کسی کے ہاں بھی اس طرح کا کلام نہیں دیکھا اور ایسے موارد میں بھی تقیہ پر عمل اور اس کا کافی ہونا بعید نہیں ہے۔ چونکہ اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں حرج لازم آتا ہے اسی طرح کا احتمال قضا میں بھی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ اس کی نسبت علامہ طباطبائی کی طرف دی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ترک احتیاط سزاوار نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

یہ تھا صاحب جواہر کا نظریہ اور اسمیں شک نہیں کہ نتیجہ کے اعتبار سے موصوف کا کلام متین ہے۔ لیکن اس میں چند اعتراض جواب طلب ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ رمضان کے آخری دن اہلسنت کے حکم کے مطابق عید مناکر اس روزے

کی قضا رکھنے والے مسئلہ کو وقوف اور دوسرے مناسک حج پر قیاس کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے

۲۔ دوسرے یہ کہ صرف حرج کا خطرہ کسی عمل کے صحیح اور کامل ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ حرج کی وجہ سے ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عمل حرام نہیں ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ صاحب جواہر کا یہ فرمانا کہ "قضا میں بھی یہ صورت پیش آسکتی ہے" قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ آئندہ برسوں میں چاند کے ثبوت میں اختلاف کا احتمال حج کے وجوب سے کسی کی گلو خلاصی نہیں کرتا۔

بہرحال عبادات اور غیر عبادات میں عمل تقیہ کے کافی ہونے پر وارد ہونے والی دلیلوں کی عمومیت کے پیش نظر انصاف یہ ہے کہ وہ عمل کافی ہے۔ خاص طور سے حج کے مسئلہ میں ہر زمانہ میں نسلاً بعد نسل اس پر عمل ہوتا آیا ہے اور کسی نے بھی نہ تو اعادہ واجب کیا ہے اور نہ دوبارہ وقوف کرنے کو کہا ہے۔ بلکہ فقہی کتابوں میں علماء نے اس مسئلہ کو چھیڑا ہی نہیں جیسا کہ آپ صاحب جواہر کے کلام میں دیکھ چکے ہیں

بعض بزرگ علماء اور ان کے ہم عصر اتباع یا ہمارے زمانہ کے کچھ علماء نے رویت ہلال میں اختلاف والے برسوں میں جو احتیاط پر عمل کرنے کی بات کہی ہے یہ بالکل نئی بات ہے۔ جو اس سے پہلے نہیں سنی گئی۔ اور یہ "ایجاد بندہ اگرچہ گندہ" کے مترادف ہے۔

## مسئلۂ اکراہ اور تقیہ

علماء نے مسئلۂ اکراہ کے ذیل میں کہا ہے کہ اگر کسی شخص کو روزہ افطار کرنے پر مجبور

کیا جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اس کا روزہ درست ہے۔ جب کہ شیخ طوسیؒ سے منقول ہے کہ وہ روزہ باطل ہے۔ اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اگر تقیہ کی بنا پر افطار کیا جائے تو اس کی قضاء واجب ہے۔ اس لئے کہ تقیہ اکراہ کے مصادیق میں سے ہے۔

افطار صوم میں اکراہ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ بزرگوار اس تصریح کے باوجود کہ "اس روزے کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے خاص طور سے ایسے موقع پر کہ جب روزہ دار کے حلق میں زبردستی کوئی چیز ٹھونسی جائے۔" فرماتے ہیں کہ اس دلیل کی روشنی میں جو تقیہ کی بنا پر افطار کئے گئے روزے کی قضا واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اکراہ کی وجہ سے افطار کئے گئے روزے کی قضاء بھی واجب قرار دی جائے اس لئے کہ تقیہ بھی تقریباً اکراہ ہی کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ مرسلہ رفاعہ میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا، ایک روز میں حیرت کے عالم میں ابوالعباس کے پاس پہونچا تو اس نے کہا اے ابو عبداللہ! آج کے روزے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔؟ میں نے کہا کہ یہ بات امام کے طے کرنے کی ہے۔ چنانچہ اگر تم روزہ رکھو گے تو میں بھی روزہ رکھوں گا اور اگر تم افطار کرو گے تو میں بھی افطار کر دوں گا۔ اس نے غلام کو آواز دی اور کہا دسترخوان لگاؤ۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ جب کہ بخدا میں جانتا تھا کہ وہ رمضان کا دن تھا۔ اس لئے کہ ایک دن افطار کر کے اس کی قضا بجالانا میرے لئے اس چیز سے بہتر ہے کہ میں قتل کر دیا جاؤں اور پھر کبھی اللہ کی عبادت نہ کر سکوں۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں ہے کہ رمضان کے مہینہ میں ایک دن افطار کر لینا مجھے اپنی گردن اڑا دیئے جانے سے زیادہ پسند ہے.....

الجواہر۔ جلد ۱۶ ص ۲۵۸

اپنے کلام کے آخر میں شیخ بزرگوار نے مسئلۂ تقیہ اور اکراہ میں فرق اور ارسال کی وجہ سے خبر قضا کے ضعیف ہونے اور دلیل اکراہ کے ساتھ مخصوص ہونے کے امکان کو رد نہیں کیا ہے۔ ..... اس کے بعد دوبارہ پینترا بدلا ہے اور فرمایا ہے۔ احتیاط یہی ہے کہ دونوں کو ایک زمرے میں رکھا جائے۔ اس لئے کہ ادلۂ تقیہ کی عمومیت کے ایسے موارد کو شامل ہونے میں شک ہے جن کی بازگشت درحقیقت موضوع میں مصداق یا مفہوم کی طرف ہو نہ کہ حکم کی طرف۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات میں سے کوئی روایت بھی قضا کے واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ جیسا کہ جناب صدوقؒ نے عیسیٰ ابن منصور سے نقل کیا ہے۔ عیسیٰ کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں تھا اور وہ "یوم شک" تھا۔ آپ نے غلام سے فرمایا: جاؤ دیکھو آیا "سلطان" روزے سے ہے یا نہیں غلام نے آکر خبر دی "بادشاہ" روزے سے نہیں ہے۔ تو حضرتؑ نے کھانا منگوایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھانے میں شرکت کی۔ یہ روایت صرف افطار کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ وجوب قضا کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ باب ستاون کی دوسری، تیسری اور چھٹی روایت کی بھی یہی حالت ہے۔

وہ روایات جو یہ کہتی ہیں کہ روزہ فاسد ہے اگرچہ افطار جائز ہے جس کا لازمہ وجوب قضا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا روایت ابی العباس جو کلام صاحب جواہر کے ذیل میں ذکر ہوئی ہے اور وہ اس باب کی چوتھی روایت ہے اور اسی طرح پانچویں روایت بھی جس کے ذیل میں امامؑ نے یہ فرمایا تھا کہ ایک دن افطار کر کے اس کی قضا رکھ لینا میرے لئے قتل ہو جانے اور خدا کی عبادت سے محروم ہو جانے سے آسان ہے۔ ان دونوں روایتوں سے وجوب قضا سمجھ میں آتا ہے

لیکن دونوں روایتیں سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔

شیخ نے ابی جارود سے جو روایت نقل کی ہے۔ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ روزہ صحیح ہے۔ روایت یوں ہے۔ "ابو جارود کا بیان ہے کہ میں نے ایک سال جب ہمیں قربانی کے بارے میں شک ہوا تو امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی بعض لوگ قربانی کرتے ہیں آپ کا کیا حکم ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا: افطار، قربانی اور روزہ سب لوگوں کے ہمراہ ہے۔" روزے کی صحت کا شبہ اس روایت سے اس دعوی پر مبنی ہے کہ جب لوگ افطار کرتے ہوں۔ وہ حقیقت میں افطار کا دن ہو اگر ایسا ہے تو ہرگز قضا واجب نہیں ہے۔ لیکن روایت کو اس معنی پر حمل کرنا بعید ہے۔ اس روایت میں مسئلہ کا صرف ظاہری حکم بیان ہوا ہے اور وہ یہ کہ تقیہ کی بنا پر افطار جائز ہے۔ لیکن "قضا واجب نہ ہونے کے بارے میں روایت خاموش ہے۔" لیکن اگر مان لیا جائے کہ روایت میں عدم وجوب میں قضا کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جب بھی یہ روایت فساد پر دلالت کرنے والی گزشتہ اور آئندہ روایتوں کے مقابلے میں نہیں ٹک سکتی۔

اس مقام پر یہ تذکر ضروری ہے کہ تقیہ کی تمام دلیلیں جس طرح احکام کو شامل ہیں اسی طرح موضوعات کو بھی شامل ہے۔

لیکن روزے کے افطار کا مسئلہ ایک خصوصیت کا حامل ہے۔ اور وہ یہ کہ اعمال کے کافی اور مجزی ہونے کی بحث ان موارد میں ہے کہ جہاں عمل کا تعلق عبادت سے ہو اور تقیہ کی وجہ سے وہ عمل سنیوں کے مذہب کے مطابق بجالایا جائے تو ایسے موقع پر کہا جاسکتا ہے کہ قضا ساقط ہے اور وہ عمل کافی ہے۔ لیکن اگر عمل کو سنیوں کے مذہب میں نہ ہونے کی بنا پر ترک کر دیا جائے تو اس عمل کی قضا ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ مجبوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ تقیہ میں انجام پانے والا عمل عمل واقعی کے لئے بدل اضطراری ہوتا ہے۔ جیسا کہ تیمم سے پڑھی جانے والی نماز وضو سے پڑھی جانے والی نماز کا بدل ہوتی ہے۔ اور اس بدلیت کی بنا پر اس عمل کو مجزی کہا جاتا ہے۔ اگر کسی عمل کو اس بنا پر ترک کیا جائے کہ وہ واجب نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ عمل واجب کا بدل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس سے تکلیف ساقط ہوتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تقیہ کی بنا پر ادا ساقط ہو جاتی ہے تو قضا بھی ساقط ہونا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر شرائط تقیہ موجود ہوں تو ترک قضا بلا مانع ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص مخالف مذہب کے ساتھ رہے اور اس کے عمل سے معلوم ہو جانے کا ڈر ہو کہ وہ قضا بجا لا رہا ہے تو ایسے موقع پر قضا ساقط ہے۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے بلکہ یہ ایسا فرض ہے جس کا مصداق ملنا ناممکن ہے۔ لہٰذا جب قضا میں تقیہ نہیں ہے تو قضا بجا لانا واجب ہے۔

## تیسرا مسئلہ:

## آیا تقیہ کی مشروعیت کے لئے اس سے فرار کا راستہ نہ ہونا معتبر ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں چند قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ تقیہ ہر حال میں درست ہے چاہے اس سے راہ فرار ممکن ہو یا نہ ہو۔ شہید اول، شہید ثانی اور محقق ثانی نے اپنی کتابوں میں اسی

کو بیان کیا ہے۔

دوسرا قول صاحب مدارک کا ہے۔ جن کا نظریہ ہے کہ بہر صورت راہ فرار کا نہ ہونا معتبر ہے۔

تیسرا قول تفصیل پر مبنی ہے۔ فرماتے ہیں "اگر متعلق تقیہ ایسا عمل ہو جس میں کسی خاص دلیل کی بنا پر تقیہ کی اجازت ہو تو اس میں اس شرط کا پایا جانا معتبر نہیں ہے۔ جیسا کہ نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں دلیل خاص کی بنا پر تقیہ صحیح ہے لیکن اگر تقیہ کی دلیل خاص نہ ہو بلکہ وہ عمومات ہوں جو ہر ضرورت اور مجبوری میں تقیہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جیسے نبیذ سے وضو کرنا یا قبلہ کے علاوہ رخ کر کے نماز پڑھنا۔ تو اس صورت میں عمل اسی وقت صحیح ہوگا جب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر راہ فرار ممکن ہو تو اسے اضطرار و مجبوری نہیں کہتے۔" اس تفصیل کو بھی محقق ثانی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔"

چوتھا قول وہ تفصیل ہے جس کو شیخ بزرگوار علامہ انصاری نے اختیار کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ مکلف تکلیف واقعی کے بجالانے پر زمانہ اور جگہ کی تبدیلی کے بغیر قادر ہو۔ مثال کے طور پر ظاہر میں اس کا عمل جس سے تقیہ کر رہا ہے اسی جیسا ہو۔ جب کہ حقیقت میں وہ اپنا صحیح عمل انجام دے رہا ہو۔ مثلاً ان کے امام کے پیچھے نہایت دھیرے قرأت کرے اور ان کو یہ دکھائے کہ خاموش ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں تقیہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں جگہ اور وقت کی تبدیلی کے بغیر راہ فرار ممکن نہیں ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وقت کے ایک حصہ میں تقیہ کی ضرورت درپیش ہو۔

مثلاً اگر اوّل وقت نماز پڑھنا چاہے تو بغیر تقیہ کئے نہ پڑھ سکے۔ جب کہ بعد میں پڑھ سکتا ہو اس صورت میں تقیہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ پورے وقت میں راہ فرار کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کسی خاص جگہ تقیہ ضروری ہو۔ تمام جگہوں پر اسکی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً مسجد الحرام یا مسجد النبی میں عمل بجالانا چاہے تو بغیر تقیہ کے ممکن نہ ہو جب کہ دوسرے مقامات پر تقیہ کے بغیر صحیح عمل بجالا سکتا ہو۔ اس صورت میں بھی عمل مجزی ہے اور تقیہ درست ہے۔ اس لئے کہ ہر جگہ راہ فرار کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ مقام عمل میں راہ فرار کا نہ ہونا شرط ہے۔

## لیکن ہمارا نظریہ یہ ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ تمام اقوال تقیۂ خوفی سے مربوط ہیں۔ اور مداراتی تقیہ سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ مداراتی تقیہ میں وقت یا جگہ تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی جگہ اور اسی وقت عمل بجالائے تاکہ ان روایتوں پر عمل ہو سکے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کا تقیہ دلوں کو نزدیک کرنے اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس میں راہ فرار کا نہ ہونا معتبر نہیں ہے۔ (یعنی اگر راہ فرار ممکن بھی ہو جب بھی تقیہ کر سکتے ہیں۔) آیا امامؑ کے ان اقوال کو، "کہ تم ان کے مریضوں کی عیادت کرو، ان کے جنازوں میں شرکت کرو" یا اس قسم کے دوسرے اقوال کو اضطرار پر محمول کر کے کہا جا سکتا ہے کہ امامؑ کی مراد یہ ہے کہ اگر راہ فرار ممکن نہ ہو تقیہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ ان امور میں شرکت کر سکتے ہو۔؟ ۔ ہرگز نہیں۔

اس میں کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

البتہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس قسم کے تقیہ میں انجام دیا گیا عمل کافی ہے تو شیخ انصاری کی بیان کردہ تین صورتوں میں سے پہلی صورت کو جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ اگر بغیر کسی تبدیلی کے اس جگہ صحیح عمل بجالانے پر قادر ہو تو اس میں تقیہ درست نہیں ہے۔" مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ روایات اس صورت کو شامل نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تقیہ خونی میں بلاشبہ پورے وقت میں تقیہ سے بچنے کا راستہ نہ ہونے کی شرط معتبر نہیں ہے۔ اس کی دلیل اجماع اور عمومات تقیہ میں نہیں۔ اس لئے کہ اجماع اس مسئلہ میں معتبر نہیں اور عمومات تقیہ مطلق اضطرار کو شامل ہیں۔ جو پورے وقت میں ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی دلیل وہ خاص روایتیں ہیں جو تقیہ کی حالت میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیتی ہیں۔ اور ان کو "پورے وقت میں مضطر ہونے" پر حمل کرنا فرد نادر پر حمل کرنے کے مترادف ہے۔

اسی طرح اگر انسان دوسری جگہ صحیح عمل بجالانے پر قادر ہو تب بھی مسجد بنی میں نماز ترک کرتے ہوئے تقیہ سے بچنا اور اپنے قافلہ میں جا کر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہتیری روایتوں میں سے بطور نمونہ ذیل میں چند روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ احمد بن ابی نصر بزنطی امام رضا علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام کی خدمت میں عرض کی میں نماز مغرب میں اہل تسنن کے ساتھ شریک ہوتا ہوں۔ وہ لوگ اس قدر جلدی نماز پڑھتے ہیں کہ میں اذان و اقامت کہنے کے بغیر صرف "سورہ حمد" ان کے ساتھ پڑھ پاتا ہوں۔ آیا میری نماز درست ہے۔؟ مولاؑ نے فرمایا کہ تمہارے لئے صرف "سورہ حمد" پڑھ لینا کافی ہے

۱۔ ج ۶۔ باب ۳۳۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ۔

صاف ظاہر ہے کہ یہاں ترک سورہ مجبوری کی حالت میں نہیں ہے۔

۲۔ بکر ابن اعین کا کہنا ہے کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہؑ سے سوال کیا کہ ناصبی کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔؟ فرمایا جب وہ بلند آواز سے پڑھے تو تم خاموشی سے سنتے رہو اور اس کے بعد اپنے رکوع اور سجدے بجا لاؤ۔[۱]

۳۔ زرارہ سے مروی ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ ناصبی کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی قرائت کو اگر تم سن رہے ہو تو تمہیں خود سے پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہی کافی ہے۔[۲]

دوسری اور تیسری روایت کو تقیہ پر حمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس طرح اکثر موارد میں انسان تقیہ سے بچ سکتا ہے۔ مثلاً یا تو گھر میں نماز پڑھے یا اس نماز سے پہلے یا بعد اپنی نماز ادا کرے۔

۴۔ ابی بصیر لیث مرادی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ عرض کی کہ جس کی ہم اقتدا نہیں کرتے اس کے ساتھ نماز کیسے پڑھی جائے۔؟ حضرت نے فرمایا تم ہر عمل ان سے پہلے بجا لاؤ۔ اس لئے کہ تم حصار میں ہو۔ لیکن اگر وہ تم سے پہلے فارغ ہو جائیں تو تم قرائت چھوڑ کر ان کے ساتھ رکوع میں چلے جاؤ۔[۳]

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر حالت میں "ان کے" ساتھ پڑھی گئی

---

۱۔ ج ۳۔ باب ۳۴۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ۔

۲۔ ″ ۵۔ ″ ″ ″ ″ ″ ″

۳۔ ″ ۱۔ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

نماز کافی ہے چاہے انسان اسی جگہ اپنی نماز پڑھنے پر قادر ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ حمران حضرت ابو عبداللہؑ سے کتاب علی علیہ السلام کا حوالہ دیتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ کتاب مذکور میں ہے کہ جب وہ وقت کے اندر جمعہ قائم کریں تو تم ان کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرو اور اس وقت تک اپنی جگہ سے حرکت نہ کرو جب تک دو رکعتیں اس کے علاوہ نہ پڑھ لو۔ میں نے عرض کی "اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے چار رکعت نماز پڑھی! فرمایا" ہاں"[1]

یہ روایت بھی بطور مطلق نماز کے کافی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

۶۔ حمران ابن اعین سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی۔ میں آپ پر قربان! یہ لوگ جب جمعہ کی نماز وقت کے اندر ادا کریں تو میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لوں۔؟ فرمایا "ہاں"۔ یہ خبر لے کر حمران زرارہ کے پاس پہنچے اور خبر دی کہ ہمیں ان کے ساتھ نماز پڑھ لینے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ زرارہ نے کہا۔ بغیر تاویل کے ایسا ممکن نہیں۔ حمران نے کہا۔ چلو خود امامؑ سے سن لو۔ ..... چنانچہ حمران کا بیان ہے کہ ہم حضرت کی خدمت میں پہنچے اور زرارہ نے عرض کی" حمران نے مجھ سے یوں بیان کیا ہے کہ آپ نے ہمیں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے تو مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ تو امامؑ نے فرمایا حسین ابن علیؑ ان کے ساتھ دو رکعت پڑھتے تھے اور ان لوگوں کے فارغ ہو جانے کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ پڑھا کرتے تھے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔

آغاز روایت میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم مطلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو اپنی دو رکعتیں پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یا پھر کسی جگہ الگ سے دو رکعتیں اضافہ کرنا

---

۱۔ ج ۱۔ باب ۲۹ ۔ ابواب الجمعۃ۔

ضروری ہیں کہ جہاں ممکن ہو۔ اور تقیہ ایسی حالت میں ہو کہ جہاں انسان اسی وقت میں نقل مکان کئے بغیر تقیہ سے بچ سکتا ہو۔ پھر بھی پہلی دو رکعتوں میں قرائت کے اعتبار سے بدستور تقیہ قائم رہے گا۔

تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ تقیہ سے بچنے کا راستہ نکالنا زمان اور مکان کے اعتبار سے ضروری نہیں ہے۔ چاہے تقیہ موارد روایات میں ہو یا تمام دوسرے موارد میں۔ اگرچہ اطلاقات تقیہ کہ جو عقلاً ضرورت تقیہ سے مقید ہیں اس چیز پر دلالت نہیں رکھتے۔

## چوتھا مسئلہ:-

## محور تقیہ ــــ خوف شخصی ہے یا خوف نوعی ــــ

تقیہ میں خوف معتبر ہے۔ چاہے خوف کا گمان ہو یا شک۔ بلکہ اگر احتمال ضعیف ہی ہو لیکن عقلائے کے نزدیک معتبر ہو۔ عرف عام میں تینوں صورتوں میں عنوان خوف صادق آتا ہے۔ اگرچہ احتمال خوف قوی یا ضعیف ہونا اس کے حکم کے متفاوت ہونے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ حق و انصاف یہ ہے کہ خوف کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

### پہلی صورت:

کبھی تقیہ کرنے والے کو اپنی جان، مال، آبرو یا کسی ایسی چیز یا شخص کا خوف ہوتا ہے جو اس سے وابستہ ہو۔ یا کسی ایسے شخص کے بارے میں خوف ہو سکتا ہے جو اس سے متعلق نہ ہو۔

## دوسری صورت:

اور کبھی اہل حق میں سے کسی ایسے شخص یا جماعت کے متضرر ہونے کا خوف ہو سکتا ہے کہ جو دشمنوں کے حصار میں ہو اور تقیہ ترک کرنے کی صورت میں ان پر سختی کئے جانے کا اندیشہ ہو۔

## پہلی صورت کا حکم

پہلی صورت میں یعنی خوف شخصی کے موضوع میں بلاشبہ احکام تقیہ جاری ہوں گے۔ بلکہ یہ صورت تقیہ کے کھلے مصادیق میں سے ہے جس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں تقیہ کو سپر وغیرہ کہا گیا ہے۔ ان کے علاوہ درج ذیل بعض روایات میں کھلا حکم بیان ہوا ہے۔

۱۔ حدیث شرائع دین میں اعمش نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت بیان کی ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ تقیہ کے زمانہ میں کسی کافر یا صبی کا قتل جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ وہ قاتل ہو یا مفسد فی الارض ہو۔ ..... البتہ ایسے آدمی کو بھی اس وقت تک قتل نہ کیا جائے جب تک تمہیں اپنی یا اپنے دوستوں کی جان کا خطرہ نہ ہو۔ یاد رکھو! کہ دار التقیہ میں تقیہ کا استعمال واجب ہے۔ ۱۔ ج ۲۱۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

روایت سے ظاہر ہے کہ محور تقیہ کے سلسلہ میں قدر متیقن خوف شخصی ہے۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تقیہ اختیار کر کے ہمیں کمینہ لوگوں سے محفوظ نہ رکھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ۱۱۔ ج ۲۷۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

۳۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے

کہ تقیہ مؤمن کے ان بہترین اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ وہ ظالموں سے اپنے نفس کو اور اپنے بھائیوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ ..... اپنے بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی متقین کے شریف ترین اعمال میں سے ہے۔[1]

ابواب امر بالمعروف کے اٹھائیسویں باب میں اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ جو اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں تقیہ کو بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی کے مثل قرار دیا گیا ہے۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ تقیہ بھائیوں کے حقوق میں سے ایک حق ہو جس کی بنا پر اسے ان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو اس لئے کہ تقیہ کے ذریعہ بھائیوں کے حقوق کی حفاظت واجب ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ جسطرح اپنی جان اور اپنے حق کی حفاظت کے لئے تقیہ واجب ہے اسی طرح اپنے بھائی کے حق و جان کی حفاظت بھی اس کے ذریعہ واجب ہے۔

اسی طرح وہ روایات بھی دلالت کرتی ہیں جن کے مطابق ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح کی روایات بہت سی ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس طرح اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے اسی طرح ترک تقیہ کے ذریعہ اپنے بھائیوں کو بھی ہلاکت میں مبتلا کرنا حرام ہے۔

## دوسری صورت کا حکم

تقیہ کرنے والے کو خود کوئی خطرہ نہ ہو مگر کسی دوسری جگہ کے عام شیعا فراد کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا سخت اندیشہ ہو۔ مثال کے طور پر کسی مؤمن کے ہاں کسی

---

۱۔ ح ۳، باب ۲۸۔ ابواب امر بالمعروف۔

شہر سے کچھ غیر مذہب والے مہمان کے طور پر آئیں جبکہ اس شہر میں اس مؤمن کے رشتہ دار بھی رہتے ہوں۔ اگر وہ مؤمن ان غیروں سے تقیہ نہ کرے تو اس کے رشتہ داروں اور وہاں کے شیعوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہو جائے (احتمالی طور پر) متضرر ہونے والا ایک شخص ہو یا ایک جماعت ہو اس صورت میں بھی تین دلیلوں سے تقیہ جائز ہے۔

**پہلی دلیل:** ملاک تقیہ اور قاعدۂ اہم و مہم کی رعایت ہے۔

**دوسری دلیل:** چوں کہ ضرورت تقیہ کی متقاضی ہے لہٰذا تقیہ پر دلالت کرنے والی عام دلیلیں اس مورد کو بھی شامل ہیں۔

**تیسری دلیل:** تقیہ کی اکثر روایات (جن کو ذیل میں ہم بیان کر رہے ہیں) اس مورد بلکہ اس سے وسیع تر موارد پر بھی دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں حسن ابن علیؑ سے منقول ہے تقیہ ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ پروردگار کسی قوم کی مشکلیں آسان کرتا ہے۔ تقیہ کرنے والے کو اس قوم کے اعمال کے برابر ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ تقیہ کو ترک کر دینا اس قوم کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے لہٰذا جو شخص ایسے موقع پر تقیہ کو ترک کرے اس کا شمار اس قوم کو ہلاک کرنے والوں میں ہوگا۔

۲۔ شیخ طوسیؒ کی مجالس میں ان کی اسناد کے ذریعہ دسویں امامؑ سے مروی ہے کہ۔ "امام جعفر صادقؑ نے فرمایا" وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کوئی خطرہ نہ ہونے کی صورت میں تقیہ کو اپنا شعار بنا کر اس شخص کو تحفظ نہ دے جو خطرہ میں ہو۔

اس روایت کا دائرہ عمل وسیع تر ہے۔ اس لئے کہ اس کی روشنی میں بطور حفظ ماتقدم بھی تقیہ جائز ہے۔ چاہے اس مورد میں کوئی خطرہ درپیش نہ ہو۔ چوں اگر بطور حفظ ماتقدم

انسان تقیہ کی عادت نہ ڈالے تو ممکن ہے کہ موارد وجوب میں وہ تقیہ کی مخالفت کا مرتکب ہو جائے

## پانچواں مسئلہ:

## موارد وجوب میں تقیہ کی مخالفت۔

موارد وجوب میں تقیہ کی مخالفت بلاشبہ گناہ ہے۔ لیکن آیا جو عمل انجام دیا گیا ہے وہ صحیح متصور ہوگا یا نہیں۔؟ بطور مثال تقیہ کا تقاضا یہ ہے کہ نماز جماعت سے پڑھی جائے۔ مگر امام جماعت کی بے عدالتی و عدم صلاحیت کے پیش نظر کوئی فرادیٰ نماز پڑھتے ہوئے تقیہ کی مخالفت کرے آیا اس کی نماز صحیح ہوگی یا باطل۔؟ یا بعض مواقع پر درست ہوگی اور بعض موقعوں پر باطل ہوگی۔؟

حضرت علامہ مرحوم شیخ انصاریؒ تفصیل کے قائل ہیں۔ مرحوم کا بیان ہے کہ اگر عمل جس میں تقیہ کی مخالفت ہو رہی ہو ایسا امر ہو جو عبادت کے ساتھ متحد ہو جیسے خاک شفا پر تقیہ کی مخالفت کرتے ہوئے سجدہ کرنا تو عمل باطل ہے۔

لیکن اگر عمل عبادت کے ساتھ متحد نہ ہو بلکہ عبادت کے علاوہ ہو" جیسے جہاں تقیہ کی بنا پر ہاتھ باندھنا واجب ہو وہاں ہاتھ کھول کر نماز پڑھے" تو عمل باطل نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں شریعت نے خاک شفا پر سجدہ کرنے سے روک دیا ہے جو عبادت یعنی سجدہ سے متحد ہے اور شریعت کی مخالفت حرام ہے۔ فعل حرام

کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا عمل باطل ہے۔

اس کے برخلاف دوسری صورت میں فعل حرام "ہاتھ باندھنا" ہے جو ایک امر خارجی ہے لہٰذا عبادت صحیح ہے۔ یہ شیخ صاحب کا نظریہ..... حالاں کہ مسئلہ کا تعلق اس چیز سے ہے کہ اوامر تقیہ کی حقیقت کیا ہے۔؟

بعض کہتے ہیں کہ اوامر تقیہ بدل اضطراری ہیں اور ان کا مأمور بہ عمل واقعی کا بدل ہوتا ہے جب کہ کچھ حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ یہ ابدال اضطراریہ نہیں۔ اپنے مأمور بہ کو فی نفسہٖ واجب قرار دیتے ہیں۔

اگر ان کو اوامر اضطراریہ کی مانند تسلیم کر لیا جائے تو تقیہ کی مخالفت سے عمل باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ مأمور بہ کو انجام نہیں دیا گیا ہے۔..... لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ان کا مأمور بہ فی نفسہٖ واجب ہوتا ہے تو عمل فاسد نہیں ہوگا۔ البتہ مسئلہ اجتماع امر و نہی میں اگر عبادت حرام کے ساتھ متحد ہو جائے اور ہم اس کے بطلان کے قائل ہو جائیں تو عمل فاسد ہوگا۔

## چھٹا مسئلہ:

## تقیہ کے بعد

کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر تقیہ کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص تقیہ کی حالت میں وضو کرے اور ایک وقت کی نماز پڑھنے کے بعد تقیہ کا جواز ختم ہو جائے لیکن اس کا وضو ابھی باقی ہو تو آیا اسباب تقیہ کے ختم ہوتے ہی وضو بھی بے کار ہو جائے گا یا جب تک نئے سرے سے وضو کی حاجت نہ ہو نماز پڑھنا درست

ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی عقد یا ایقاع کا معاملہ تقیہ کی حالت میں انجام پائے تو آیا تقیہ کے بعد اس کا اثر باقی رہے گا یا نہیں ؟

قاعدۂ اولیہ کا تقاضا یہ ہے کہ تقیہ کے بعد تمام موارد میں اس عمل کا اثر باقی نہیں رہے گا مگر کسی خاص مورد میں کوئی دلیل موجود ہو۔ اگر دلیل نہ ہو تو تقیہ کے بعد عمل فاسد ہو جائیگا اگر کوئی اس کی صحت کا دعویٰ کرے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پاس دلیل بھی ہے یا نہیں ۔؟

بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ دلیل موجود ہے جو کبھی اوامر خاص ہیں اور کبھی اوامر عام۔

اوامر خاص وہ ہیں جو موارد تقیہ میں وارد ہوتے ہیں۔ جیسے وضو کا حکم جس سے استفادہ ہوتا ہے کہ تقیہ کے بعد بھی وہ وضو کارگر ثابت ہو سکتا ہے اور دوسرا وضو انجام دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رفع حدث امتثال امر کے آثار میں سے ہے اور اس مورد میں وضو کے ذریعہ حدث مرتفع ہو چکا ہے لہذا ہر وہ مورد کہ جس میں مثلاً وضو کا حکم موجود ہو اس میں وضو انجام دینے سے حدث رفع ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کی نظر میں ایسا کوئی مورد ہے کہ جس میں وضو کا امر موجود ہو اور اس کے انجام دینے سے حدث رفع نہ ہوتا ہو؟

دائم الحدث کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ وضو اس کے لئے صرف مبیح صلاۃ ہے وہ دائم الحدث ہونے کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ وضو رافع نہیں ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جس مورد میں بھی بعض اسباب شرعیہ کے بارے میں تقیہ کے

وقت خاص امر وارد ہوا ہو چاہے وہ امر وضو اور غسل کے مانند عبادات میں سے ہو یا نکاح اور طلاق کی طرح عقود و ایقاعات میں سے ہو۔ وہ امر مؤثر واقعی کے موجود ہونے کی دلیل ہے لہذا اس کے تمام اثرات مرتب ہوں گے۔ چاہے اسباب تقیہ موجود ہوں یا زائل ہو گئے ہوں۔

رہ گئیں وہ عام روایات جن کے مطابق ہر ضرورت کے وقت تقیہ جائز ہے۔ اور نبیذ کے استعمال اور موزوں پر مسح کرنے کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ ہے۔ ان کے بارے میں گزشتہ بحثوں میں عرض ہو چکا ہے کہ یہ ہر حال میں تقیہ کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ہر چیز کا جواز اس کے حسب حال ہوتا ہے۔ وضو کا جواز رفع حدث میں ہے۔ بیع و شراء کا جواز اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جسکا نتیجہ حصول ملکیت ہے اور طلاق کا جواز مرد و عورت میں جدائی کی علامت ہے۔

لیکن ان باتوں کے باوجود دونوں موارد میں اشکال ممکن ہے۔ عام روایتوں کی دلالت میں یہ اشکال ہے کہ ان سے جواز تکلیفی اور نفی حرمت مستفاد ہوتے ہیں۔ ..... ..... جواز وضعی ان سے سمجھ میں نہیں آتا۔ لہذا ان کے ذریعہ آثار وضعیہ (جیسے عقود و ایقاعات) کی صحت پر استدلال بہت مشکل ہے۔

اوامر خاصہ میں مشکل یہ ہے کہ وہ ہماری بحث کے موضوع کو شامل نہیں ہیں۔ ان کی حیثیت اوامر اضطراریہ جیسی ہے۔ پانی اگر میسر ہو جائے تو وضو ختم ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح تقیہ کے بعد یہ اوامر بھی کالعدم ہو جاتے ہیں۔

علاوہ بر ایں اہل نظر جانتے ہیں کہ تقیہ امر شرعی ہونے سے پہلے امر عقلی ہے اور عقلاء اسی وقت تک اس امر پر عمل کرتے ہیں جب تک تقیہ باقی ہو۔ جہاں تقیہ کے اسباب

زائل ہوئے وہیں عقلاء کے نزدیک یہ اوامر ختم ہو جاتے ہیں اور وہ تقیہ سے پہلے والے اوامر اختیاریہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ زوال تقیہ کے بعد ظرف تقیہ میں انجام دیئے گئے وضو یا غسل جیسے دیرپا اثر رکھنے والے عمل کا اثر باقی رہنا بہت مشکل ہے۔

## ساتواں مسئلہ:

## آیا تقیہ واجب نفسی ہے یا واجب غیری ـــــ؟

موارد وجوب میں آیا تقیہ بنفس نفیس واجب ہے یا بطور مقدمہ حفظ نفوس وصیانت دین کے لئے واجب ہے؟

ادلۂ تقیہ پر سرسری نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقیہ مقدمہ کے طور پر بلا وجہ پیش آنے والے دینی یا دنیاوی ضرر کو ٹالنے کے لئے واجب ہے۔ دلیل عقلی بھی اس سے زیادہ پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی طرح وہ دلیل جس کے بموجب ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے اس کا مفاد بھی یہی ہے کہ جان کو بچانے کے لئے تقیہ واجب ہے۔

لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تقیہ اپنے اثر کے اعتبار سے واجب نفسی ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ جو دلیلیں خوف کے وقت تقیے پر دلالت کرتی ہیں ان کے عمومیت سے وجوب نفسی کا اظہار ہوتا ہے چاہے ترک تقیہ سے نقصان ہوتا ہو یا نہ ہوتا

ہو۔ حفظ نفوس جس کو تقیہ کی علت قرار دیا جاتا ہے وہ اس کے لئے علت نہیں ہے بلکہ اس کا فلسفہ ہے۔ اسی لئے تارک تقیہ کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر امام حسن عسکریؑ کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے (ہماری ولایت یا ہم سے دوستی کے بعد تم پر سب سے بڑی ذمہ داری اپنے نفوس اور اموال اور معارف کی حفاظت کے لئے تقیہ استعمال کرنا اور اپنے ہم نوعوں کے حقوق ادا کرنا ہے اس کے علاوہ بے شک خدا ہر گناہ کو بخش دے گا اور ان کا حساب نہیں لے گا۔ رہ گئے یہ دو فریضے تو ان سے سخت عذاب برداشت کرنے کے بعد ہی نجات مل پائے گی۔)

اسی طرح وہ روایتیں جو ترک تقیہ کو اپنے بھائیوں کے حقوق پامال کرنے کے مترادف قرار دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر تفسیر مذکور میں علیؑ بن حسینؑ کا قول ہے۔ (خدا مومن کے تمام گناہوں کو بخش دے گا، دنیا و آخرت میں اسے پاک و پاکیزہ قرار دے گا صرف دو گناہوں کے علاوہ۔ وہ دو گناہ ترک تقیہ اور اپنے بھائیوں کے حقوق ضائع کرنا ہیں)

اس کے علاوہ ابن ادریس کی سرائر کے آخر میں ایک روایت ہے جس کو علی ابن محمدؑ (دسویں امام) سے نقل کیا ہے۔ حضرت علیہ السلام نے داؤد حرمی سے فرمایا (اگر میں یہ کہوں کہ تارک تقیہ تارک صلاۃ کے مانند ہے تو میں اپنی گفتار میں سچا ہوں)

اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ واجب نفسی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور یہ فعل تقیہ کی ضد ہے تقیہ کے لئے مقدمہ نہیں ہے۔ سبھی جانتے ہیں اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا بنفسہ حرام ہے۔ پس ترک تقیہ بھی بنفسہ حرام ہے جو موجب عقاب اور باعث فسق ہے۔ معلوم ہوا کہ

تقیہ کا وجوب نفسی ہے۔

## آٹھواں مسئلہ:

## تقیہ کی تیسری قسم۔

گزشتہ بحثوں میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ تقیہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ تقیہ خوفی۔

۲۔ تقیہ تحبیبی۔

پہلی قسم کو جان و مال، عزت و آبرو اور دین کے تحفظ کے لئے کام میں لایا جاتا ہے جب کہ دوسری قسم میں تقیہ سے غرض مسلمانوں کی صفوں میں وحدت پیدا کرنا، ان کے درمیان محبت اور مودت ایجاد کرنا اور ان کے اختلافات کو ختم کرنا ہے تاکہ وہ اسلام کے دشمنوں کا مل کر مقابلہ کر سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ تقیہ کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کو کسی راز کی حفاظت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ حکم سیاسی نوعیت کا ہے نہ ایجاد محبت و مودت کے لئے ہے اور نہ ہی کسی خوف کی بنا پر بلکہ خالص سیاسی نقطۂ نظر سے اسے حفظ مذہب کے لئے مشروعیت دی گئی ہے۔

وسائل میں اس کے لئے ایک باب مخصوص کیا گیا ہے جس پر دلالت کرنے والی چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ محمد خزاز ابو عبداللہ علیہ السلام سے ناقل ہیں۔ "حضرت علیہ السلام نے فرمایا" جو ہماری مرضی کے برخلاف ہمارے راز کو آشکار کرے وہ گویا ہمارے حق کا منکر

ہے۔[1]

۲۔ ابن ابی یعفور کا بیان ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا "جو ہمارا راز فاش کرے خدا اس کے ایمان کو سلب کر لیتا ہے۔

اس موضوع میں اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں جن کی روشنی میں عقیدہ حق کو چھپانا واجب ہے بلکہ بعض ایسے موارد میں اس کے برخلاف اظہار لازم ہے کہ جن کو نا اہلوں کے سامنے آشکار کرنے میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ کو۔ یہ ایک طرح کا تقیہ ہے جس پر تقیہ کی تعریف صادق آتی ہے۔ مگر پہلی[2] دو قسموں میں داخل نہیں ہے۔

لیکن انصاف تو یہ ہے کہ اس قول کی ہمراہی ناممکن ہے۔ دراصل تقیہ کی اس قسم کا تعلق بھی پہلی قسم سے ہے جس کو تقیہ خوفی کہتے ہیں۔ بس سر اور راز کا اطلاق ایسے ہی مواقع پر ہوتا ہے۔ جن میں حق و حقیقت پر مبنی دینی عقائد کے کھل کر اظہار کرنے میں جانی، مالی، عرضی اور دینی اعتبار سے متضرر ہونے کا خوف ہو۔ اور اگر کسی مورد کے اظہار میں کوئی خوف نہ ہو تو اسے راز نہیں کہا جاتا۔ لہذا وہ "کتمان ستر" کے عنوان کے تحت نہیں آئے گا......

چنانچہ اسی باب کی ایک سے زیادہ روایتیں ہماری بات کی تائید میں موجود ہیں۔

۱۔ یونس ابن یعقوب اپنے واسطے سے ابو عبداللہؑ سے ناقل ہیں حضرتؑ نے فرمایا۔" ہمارا راز فاش کرنے والا ہیں بر بنائے خطا قتل نہیں کرتا بلکہ عمداً قتل کرتا ہے۔[3]

---

۱۔ ج ۱۱۔ باب ۳۴۔ ابواب امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

۲۔ ۱۲ " " " " " " "

۳۔ ۱۳ " " " " " " " " "

یہ روایت صاف کہہ رہی ہے کہ راز فاش کرنا صرف عظیم نقصان بلکہ قتل کا موجب بن سکتا ہے۔ اگر فاش کرنے والا اس چیز سے آگاہ ہو تو وہ قاتل کہلائے گا۔ ..... آیا یہ تقیہ خوفی کے ترک کے مصادیق میں سے نہیں ہے۔؟ جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ خوف کا تعلق اپنے ہی نفس سے نہیں بلکہ غیر سے بھی ہے۔

۲۔ دوسری روایت محمد ابن مسلم سے ہے۔ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا۔ "قیامت کے دن ایک شخص کو اٹھایا جائے گا اور ایک ..... کی مانند یا اس سے زیادہ خون اس کو دینے کے بعد کہا جائے گا کہ یہ فلاں شخص کا خون ہے جس کے قتل میں تو بھی شریک تھا۔"

عرض کرے گا۔ پروردگارا! تو خوب جانتا ہے کہ جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھایا تھا اس وقت تک میں نے کسی کا خون نہیں بہایا۔" ندا آئے گی "ہاں لیکن تجھے یاد ہے کہ اس شخص نے تجھ سے اپنا راز بیان کیا۔ تو نے اس راز کی حفاظت نہیں کی اور اسے فاش کر دیا۔ فلاں ظالم شخص کو اس کی خبر ہو گئی اور اس ظالم نے اس شخص کو قتل کر دیا اس طرح تو اس کے قتل میں شریک ہوا۔ لہٰذا اس کے قتل میں یہ تیرا حصہ ہے!

آیا یہ ترک تقیہ کی وہ قسم نہیں ہے جس کی بنا پر دوسرا ہلاکت کا شکار ہوتا ہے؟

۳۔ اسحاق ابن عمار کا بیان ہے کہ حضرت ابو عبداللہ نے درج ذیل آیۂ کریمہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔" ذالك بانهم كانوا يكفرون بآيات الله ويقتلون النبيين بغير الحق ذالك بما عصوا وكانوا يعتدون۔" خدا کی قسم انھوں نے اپنے ہاتھوں اور تلواروں سے نبیوں کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کے رازوں کو فاش کیا جس کے نتیجہ میں وہ پکڑ لئے گئے اور انھیں ظلم و معصیت کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا گیا۔

ان کے علاوہ اس مضمون کی بہت سی روایات ایسی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ راز کا تعلق ایسے عقائد سے ہے کہ جن کا فاش کر دینا عظیم نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس راز کو نقل کرنا تقیہ کے منافی ہے چونکہ اس سے اپنی یا دوسرے کی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے

پس ان روایات کے مضمون سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ یہ تقیہ کی تیسری قسم نہیں ہے بلکہ ان ہی دو قسموں میں شامل ہے۔

# فہرست !


| نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱ | تقیہ معرکۃ الآراء موضوع بحث | ۱ |
| ۲ | مقدمۂ مترجم | ۴ |
| ۳ | حرف آغاز | ۱۲ |
| ۴ | تقیہ کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ | ۱۴ |
| ۵ | تقیہ کا حکم تکلیفی | ۱۷ |
| ۶ | احادیث تقیہ | ۲۵ |
| | پہلا طائفہ | ۲۵ |
| | دوسرا طائفہ | ۲۷ |
| | تیسرا طائفہ | ۲۸ |
| | چوتھا طائفہ | ۳۲ |

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۷ | چند ضروری امور | ۳۷ |
| | اول تقیہ میں اس قدر تاکید کی علت اور سبب کیا ہے | ۳۷ |
| | پہلی وجہ | ۳۸ |
| | دوسری وجہ | ۳۹ |
| | ۲۔ تقیہ کی غرض و غایت اور اس کی قسمیں | ۴۳ |
| | ۳۔ وجوب تقیہ کے موارد | ۴۴ |
| | ایک ضروری آگاہی | ۴۵ |
| ۸ | موارد حرمت تقیہ | ۴۷ |
| | ۱۔ اگر دین میں فساد کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز نہیں | ۴۷ |
| | ۲۔ قتل میں تقیہ جائز نہیں | ۵۱ |
| | ۳۔ شراب خوری یا اس طرح کے محرمات میں تقیہ حرام ہے | ۵۲ |
| | ۴۔ ضرورت کے بغیر تقیہ جائز نہیں ہے | ۵۶ |
| | تذکر | ۵۷ |
| ۹ | اختیار کفر اور ایمان سے برائت میں تقیہ کا حکم | ۵۸ |
| | روایات تفصیل | ۶۵ |
| | دوسری بحث | ۶۵ |
| | احادیث کے مضامین میں ہم آہنگی کا طریقہ | ۷۱ |

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۰ | تقیۃً پڑھی گئی نماز کا حکم | ۸۲ |
| ۱۱ | تقیہ سے متعلق ضروری مسائل (تنبیہات) | ۸۳ |
| | پہلا مسئلہ: کیا تقیہ مخالف مذہب کے ساتھ مخصوص ہے؟ | ۸۳ |
| | دوسرا مسئلہ: تقیہ موضوعات میں | ۸۴ |
| | تیسرا مسئلہ: آیا تقیہ کی مشروعیت کے لئے فرار کا راستہ نہ ہونا معتبر ہے یا نہیں؟۔ لیکن ہمارا نظریہ ہے | ۹۴ |
| | چوتھا مسئلہ: محور تقیہ خوف شخصی ہے یا خوف نوعی | ۹۶ |
| | پہلی صورت | ۱۰۰ |
| | دوسری صورت | ۱۰۰ |
| | پہلی صورت کا حکم | ۱۰۱ |
| | دوسری صورت کا حکم | ۱۰۱ |
| | پانچواں مسئلہ: موارد وجوب میں تقیہ کی مخالفت | ۱۰۲ |
| | چھٹا مسئلہ: تقیہ کے بعد | ۱۰۴ |
| | ساتواں مسئلہ: آیا تقیہ واجب نفسی ہے یا واجب غیری؟ | ۱۰۵ |
| | آٹھواں مسئلہ: تقیہ کی تیسری قسم | ۱۰۸ |
| | فہرست مضامین | ۱۱۰ |
| | | ۱۱۴ |